رعنائیاں

شکیل بدایونی

لا رہا ہے مے کوئی شیشے میں بھر کر سامنے
کس قدر پر کیف منظر ہے نظر کے سامنے

الاماں ذوقِ تماشہ کی کرشمہ کاریاں
کچھ نہیں ہے اور سب کچھ ہے نظر کے سامنے

میں تو اس عالم کو کیا سے کیا بنا دیتا مگر
کس کی چلتی ہے حیاتِ مختصر کے سامنے

پھر نہ دینا طعنہ ناکامیٔ ذوقِ نظر!
حوصلہ ہے کچھ تو آجاؤ نظر کے سامنے

آہ یہ رودادِ ہنگامِ طرب اے غمگسار
ذکرِ گلشن جیسے اک بے بال و پر کے سامنے

ہو چکا جب خاتمہ ساری امیدوں کا تو پھر
جا رہا ہے ہو کیوں تشکیل اس فتنہ گر کے سامنے

نظر سے قیدِ تعین اٹھائی جاتی ہے
تجلیٔ رُخِ جاناں دکھائی جاتی ہے

جب ان کو حوصلۂ دل پہ اعتبار نہیں
تو پھر نظر سے نظر کیوں ملائی جاتی ہے

خم و سبو کی ضرورت کے ہم نہیں قائل
شرابِ مستِ نظر سے پلائی جاتی ہے

ستم نوازیِ پیہم ہے عشق کی فطرت
فضول حسن پہ تہمت لگائی جاتی ہے

بھلا دیا تھا غمِ روزگار نے جس کو
وہ داستاں مجھے پھر یاد آئی جاتی ہے

شکیلؔ دوریِ منزل سے نا امید نہ ہو
اب آئی جاتی ہے منزل اب آئی جاتی ہے

○

جل کے اپنی آگ میں خود صورتِ پروانہ ہم
بن گئے ہم رشتۂ خاکِ درِ جانانہ ہم

دیکھئے کس راہ لیجائے سکوں کی جستجو
چل تو نکلے ہیں بہ یک اندازِ بیتابانہ ہم

حالِ دل احوالِ غم شرحِ تمنا عرضِ شوق!
بے خودی میں کہہ گئے افسانہ در افسانہ ہم

بارِ ساقی خندہ زن وعدہ خلافی طعنہ زن
ہائے کس مشکل سے پہنچے تا درِ میخانہ ہم

فرصت یک لمحہ دے دیتی جو فکرِ روزگار
یاد کر لیتے ہیں کوئی بھولا ہوا افسانہ ہم

جب جفا و جور بھی جذبِ محبت ہیں شکیل
کس لئے رہتے جفا و جور سے بیگانہ ہم

وجہ قدر و قیمت دل حسن کی تنویر ہے
ورنہ اک ٹوٹے ہوئے شیشے کی کیا توقیر ہے

کچھ تبسم زیرِ لب پر شرم دامنگیر ہے
اف یہ کس عالم میں کھچوائی ہوئی تصویر ہے

اک نظر دیکھا جسے مدہوش و بیخود کر دیا
تیری کیف آگیں نگاہوں میں عجب تاثیر ہے

کتنی دلکش ہیں تیری تصویر کی رعنائیاں
لیکن اے پردہ نشیں تصویر پھر تصویر ہے

پھونک دے برقِ تپاں میرا قفس بھی پھونک دے
آشیاں کی یہ بھی اک بگڑی ہوئی تصویر ہے

لن ترانی کہہ دیا تھا طور پر جس نے شکیل
ذرے ذرے میں اسی کے حسن کی تنویر ہے

سامنے ہے صنم کدہ سوئے حرم نظر بھی ہے
ذوقِ سجود مرحبا سر بھی ہے سنگِ در بھی ہے

آتشِ حسنِ خود نما آف یہ نظر فریبیاں !
بزم سے خود نہاں بھی ہے بزم میں جلوہ گر بھی ہے

اب بھی وہ برقِ طور سوز ہے اسی طرح دل فریب نہ
دور بھی ہر نظر سے ہے جنت ہر نظر بھی ہے

ظلمتِ عالمِ فراق جلوہ حسن بے مثال
بزمِ تصورات میں شام بھی ہے سحر بھی ہے

نالہ و آہ پے بہ پے اے دل زار تا بکے
جس کا تجھے خیال ہے اس کو نہ کچھ خبر بھی ہے

○

مجھ کو ساقی نے جو رخصت کیا میخانے سے
خوفِ مئے ناب چھلکنے لگی پیمانے سے

دیکھ کر حالتِ دل ان کو ترس آ ہی گیا
وہ بھی گھبرا سے گئے میرے تڑپ جانے سے

دیتے ہیں طعنہ اصنام پرستی مجھ کو !
سجدہ کرتے ہوئے نکلے ہیں جو بتخانے سے

آپ کے جاتے ہی آباد ہوئی بزم خیال
بن گئی اور بھی تقدیر بگڑ جانے سے

محتسب اب تجھے توبہ کا یقین ہو کہ نہ ہو
ہم تو ٹکرا چکے پیمانے کو پیمانے سے
اپنا ہم مسلک و ہمراز کسے کہئے شکیلؔ
نظر اس بزم میں سب آتے ہیں بیگانے سے

○

اب وہ خود محوِ علاجِ دردِ پنہاں ہو گئے
اے خوشا قسمت کہ پھر جینے کے ساماں ہو گئے
سوچ تو لیتے کہ آئینے میں کس کا عکس ہے
اک ذرا سی بات پہ اس درجہ حیراں ہو گئے
اللہ اللہ عجلتِ نظارۂ برقِ جمالی!
وہ نظر آتے نہ پاتے تھے کہ پنہاں ہو گئے
میں تو سمجھا تھا کہ یہ بھی اک فریبِ حسن ہے
اُف رہی غیرت وہ تو سچ مچ ہی پشیماں ہو گئے
دید کے قابل ہے فیضِ رہ نوردانِ جنوں
خار دامن سے الجھ کر گُل بداماں ہو گئے
کون رکھے گا جہاں میں کفر سامانی کی لاج
عشق میں ہم جیسے کافر جب مسلماں ہو گئے
حضرتِ واعظ جہاں کی لذتوں سے کیوں ہو دور
یہ فرشتہ خصلتی کیسی جب انساں ہو گئے

عہدِ فردا اک بہانہ ہی سہی لیکن شکیل!
اس بہانے سے سکونِ دل کے ساماں ہوگئے

○

ساقی نظر سے پنہاں شیشے تہی تہی سے
یا نہ آئے ہم تو ایسی بے کیف زندگی سے

کس شوق کس تمنا کس درجہ سادگی سے
ہم آپ کی شکایت کرتے ہیں آپ ہی سے

حسنِ شگفتہ رو کی اللہ ری ادائیں!
نظریں بھی ہیں مجھی پہ پردہ بھی ہے مجھی سے

اے میرے ماہِ کامل پھر آشکارا ہو جا
اکتا گئی طبیعت تاروں کی روشنی سے

نالہ کشو اٹھا دو آہ و فغاں کی رسمیں
وہ دن کی زندگی ہے کاٹو ہنسی خوشی سے

دامن ہے ٹکڑے ٹکڑے ہونٹوں پہ ہے تبسم
اک درس لے رہا ہوں پھولوں کی زندگی سے

آگے خدا ہی جانے انجام عشق کیا ہو
جب اے شکیل اپنا یہ حال ہے ابھی سے

○

دیدۂ شوق سے نہاں محفلِ رنگ و بو نہیں
اس کی نظر نظر کہاں جس کی نظر میں تو نہیں

ہائے وہ مست انکھڑیاں رند کے روبرو نہیں
بادہ کشی کا لطف کیا جام نہیں سبو نہیں

دور میں کچھ کمی نہو یہ تو قبول ہے مگر
طالبِ لطفِ چارہ گر غیرتِ چارہ جو نہیں

حیرتِ عشق کی قسم ہو گئے ایسے محو ہم
جب تو اک آرزو بھی تھی اب کوئی آرزو نہیں

عزمِ سوال کیا کہوں رعبِ جمال کیا کہوں
حسرتِ گفتگو تو ہے جرأتِ گفتگو نہیں

نالہ کشانِ عشق کی اف رے الم نوازیاں
بیٹھے ہیں ایسے مطمئن جیسے کچھ آرزو نہیں

جانِ بہار ہر نظر عشق کا راز وا نہ کر
عرضِ تجلیٔ حسن مگر غیر کے روبرو نہ کر

آدابِ عاشقی سے بیگانہ کہہ رہی ہے
میری نظر مجھی کو دیوانہ کہہ رہی ہے

ہر آہ سرد پیہم دل سے نکل نکل کر
دل کی تباہیوں کا افسانہ کہہ رہی ہے

اس درجہ ہے مسلط دیوانگی کا عالم
دیوانگی بھی مجھ کو دیوانہ کہہ رہی ہے

یہ انقلاب دوراں یہ عیش و غم کے عنواں
گویا زبانِ فطرت افسانہ کہہ رہی ہے

میری زباں انہیں سے ان کے ستم کا قصہ
یوں دب کے کہہ رہی ہے گویا نہ کہہ رہی ہے

اے برق فتنہ سامان عنوانِ تازہ کوئی
یہ کیا سنا سنایا افسانہ کہہ رہی ہے

ہوں زندہ اک مرقع میں صورت آفریں کا
دنیا شکیل میرا افسانہ کہہ رہی ہے !

○

دنیا کی روایات سے بیگانہ نہیں ہوں
چھیڑو نہ مجھے میں کوئی دیوانہ نہیں ہوں

اس کثرت غم پر بھی مجھے حسرت غم ہے
جو بھر کے چھلک جائے وہ پیمانہ نہیں ہوں

روداد غم عشق ہے تازہ مرے دم سے
عنوانِ ہر افسانہ ہوں افسانہ نہیں ہوں

الزامِ جنوں دیں نہ مجھے اہل محبت
میں خود یہ سمجھتا ہوں کہ دیوانہ نہیں ہوں

میں قائل خود داریٔ الفت سہی لیکن
آداب محبت سے تو بیگانہ نہیں ہوں

ہے برق سر طور سے دل شعلہ بداماں
شمع سر محفل ہوں میں پروانہ نہیں ہوں

ہے گردشِ ساغر مری تقدیر کا چکر
محتاجِ طوافِ درِ میخانہ نہیں ہوں

لذت کشِ نظارہ تشکیل اپنی نظر ہے
محرومِ جمالِ رخِ جانانہ نہیں ہوں

○

ناکام عرض شوق کی جرات ہے کیا کروں
دل خود ہی پردہ دار محبت ہے کیا کروں

شوق طواف کوئے محبت ہے کیا کروں
ان گردشوں پہ اور یہ حسرت ہے کیا کروں

دل کا بھی کیا قصور تمہاری بھی کیا خطا
برگشتہ مجھ سے خود مری قسمت ہے کیا کروں

تم ہو جفا پسند تو میں ہوں وفا شعور
خود دار اپنی اپنی طبیعت ہے کیا کروں

دیکھوں انہیں تو تاب نظارہ نہیں مگر
ان کو نہ دیکھنا بھی قیامت ہے کیا کروں

تقدیر ہی سے صرف شکایت نہیں مجھے
تقدیر کو بھی مجھ سے شکایت ہے کیا کروں

گو دل شکن ہیں ان کی تغافل شعاریاں
اس پر بھی مجھ کو ان سے محبت ہے کیا کروں

جاتا ہوں روز ان کی طرف دل بکف شکیل
کمبخت آج تک وہی عادت ہے کیا کروں

ابھی جذبہ شوق کامل نہیں ہے
کہ بیگانۂ آرزو دل نہیں ہے

کوئی پردہ راز حائل نہیں ہے
ستم ہے وہ پھر بھی مقابل نہیں ہے

سر آنکھوں پہ نیرنگیٔ بزم عالم
جسے خوف غم ہو یہ وہ دل نہیں ہے

مسرت بداماں ہوں سیلاب غم میں
کوئی موج محروم ساحل نہیں ہے

محبت سے بچ کر کہاں جائیے گا
تلاطم ہے آغوش ساحل نہیں ہے

وہ کس نازو ادا انداز سے کہہ رہے ہیں
تشکیل اب محبت کے قابل نہیں ہے

○

اے قافلۂ شوق مرے دل سے گذر جا
منزل کی تمنا لیئے منزل سے گذر جا
پر درد وہ طوفان ہے تو اے موج محبت
ساحل بھی جو آئے تو ساحل سے گذر جا
پھر دیکھ جو ہو کشمکش حسن کا عالم !
نیچی کیئے نظروں کو مقابل سے گذر جا
دل ڈھونڈ رہا ہے کوئی جاں سوز تجلی
اے برق نظر سینۂ بسمل سے گذر جا
ہر گوشۂ ہستی ہے ابھی در خور تعمیر
اک بار پھر اجڑی ہوئی محفل سے گذر جا

○

ہر گوشہ نظر میں سمائے ہوئے ہو تم !
جیسے کہ میرے سامنے آتے ہوئے ہو تم !
میری نگاہ شوق پہ چھائے ہوئے ہو تم
جلووں کو خود حجاب بنائے ہوئے ہو تم

کیوں اک طرف نگاہ جمائے ہوئے ہو تم
کیا راز ہے جو مجھ سے چھپائے ہوئے ہو تم
دل نے تمہارے حسن کو بخشی ہیں رفعتیں
دل کو مگر نظر سے گرائے ہوئے ہو تم
یہ جو نیاز عشق کا احساس ہے نہیں!
شاید کسی کے ناز اٹھائے ہوئے ہو تم
یا مہربانیوں ہی کے قابل نہیں ہوں میں
یا واقعی کسی کے سکھائے ہوئے ہو تم
اب امتیاز پردہ و جلوہ نہیں مجھے!
چہرے سے کیوں نقاب اٹھائے ہوئے ہو تم
اُن کے ستم تشکیل یہ حالت تو ہو گئی
اب بھی کرم کی آس لگائے ہوئے ہو تم

یہ کیا ستم ظریفیٔ فطرت ہے آج کل
بیگانگی شریک محبت ہے آج کل
غم ہے کہ ایک تلخ حقیقت ہے آج کل
دل ہے کہ سوگوار محبت آج کل
تنہائی فراق سے گھبرا رہا ہوں میں

میرے لئے سکوں بھی قیامت ہے آج کل
ہر سانس ترجمانِ غمِ دل ہے ان دنوں
ہر آہ پردہ دارِ حکایت ہے آج کل
میری وفا ہی میرے لئے قہر بن گئی
اپنی جفا پہ ان کو ندامت ہے آج کل
پھر چاہتا ہوں اک الم تازہ تر تشکیل
پھر دل کو جستجوئے مسرت ہے آجکل

○

اب تو خوشی کا غم ہے نہ غم کی خوشی مجھے
بے حس بنا چکی ہے بہت زندگی مجھے
وہ وقت بھی خدا نہ دکھائے کبھی مجھے
ان کی ندامتوں پہ ہو شرمندگی مجھے
رونے پہ اپنے ان کو بھی افسردہ دیکھ کر
یوں بن رہا ہوں جیسے اب آتی ہنسی مجھے
یوں دیجیے فریب محبت کہ عمر بھر
میں زندگی کو یاد کروں زندگی مجھے
رکھنا ہے تشنہ کام تو ساقی بس اک نظر
سیراب کر نہ دے مری تشنہ لبی مجھے

پایا ہے سب نے دل مگر اس دل کے باوجود
اک شے ملی ہے دل میں کھٹکتی ہوئی مجھے
راضی ہوں یا خفا ہوں وہ کچھ بھی ہوں شکیل
ہر حال میں قبول ہے ان کی خوشی مجھے

○

امانتِ دل صبر آزما نہیں کرتے
بلند ہم کبھی دستِ دعا نہیں کرتے

○

نادان محبت والوں کے ارمان بدلتے رہتے ہیں
اس رنگ بدلتی دنیا میں انسان بدلتے رہتے ہیں
بستی ہے خوشی جس دل میں وہاں غم کا بھی بسیرا ہوتا ہے
گھر ایک ہی رہتا ہے لیکن مہمان بدلتے رہتے ہیں
ہنس ہنس کے گزارے دن ہم نے رو رو کے بھی گزر ہی جائینگے
جینا ہے وہی پر جینے کے سامان بدلتے رہتے ہیں

○

اے شمع تو بتا ترا پروانہ کون ہے

محفل میں سب ہیں پیار کا ساغر پیئے ہوئے
پہلو میں اپنے درد کی دنیا لیئے ہوئے
جو تیرا ہو چکا ہے وہ مستانہ کون ہے
ہونٹوں پہ دل کی بات یہ کیوں آ کے رہ گئی
کہدے تو حالِ دل یہاں بیگانہ کون ہے

○

دل کو تری تصویر سے بہلائے ہوئے ہیں
اس گھر میں ہم اک چاند کو چمکائے ہوئے ہیں
اب کونسی دولت ہے جو تقدیر سے مانگیں
الفت ہی بڑی چیز ہے جو پائے ہوئے ہیں
جب تک ہے خیالوں میں تو دنیا سے ہمیں کیا
دنیا کو تری یاد میں ٹھکرائے ہوئے ہیں
مٹ کر بھی نہ دامن ترا ہاتھوں سے چھٹے گا
ہم تیری محبّت کی قسم کھائے ہوئے ہیں

○

پنچھی بن میں پیا پیا گانے لگا
سکھی ہاتھوں سے دل مرا جانے لگا

سن پاپی کی دھن مراد دھڑکے جیا
ملے نیناں کسی سے ہوئی میں باوری
مزہ جینے کا اب مجھے آنے لگا ..... پنچھی بن میں
گئی تن من میں مار لڑی ایسی نظر !
دل دے کے رہی نہ مجھے اپنی نظر
مرا ننھا سا جیا بل کھانے لگا ..... پنچھی بن میں

○

چھوٹا بابل کا گھر، موہے پی کے نگر آج جانا پڑا
سنگ سکھیوں کے بچپن بتاتی تھی میں !
بیاہ گڑیوں کا ہنس ہنس رچاتی تھی میں
سب سے منہ موڑ کر کیا بتاؤں کدھر ..... دل لگانا پڑا ...
یاد میکے کی دل سے بھلائے چلی
پریت ساجن کی من میں بسائے چلی
یاد کر کے یہ گھر روئیں آنکھیں مگر مسکرانا پڑا
پہن الفت کا گہنا دلہن میں بنی
ڈولا آیا پیا کا سکھی میں چلی !!
یہ تھا جھوٹا نگر اس لئے چھوڑ کر موہے جانا پڑا .. ..

○

خوشی کے ساتھ دنیا میں ہزاروں غم بھی ہوتے ہیں
جہاں بجتی ہے شہنائی وہاں ماتم بھی ہوتے ہیں
مرا جیون ساتھی بچھڑ گیا۔ یہ ختم کہانی ہو گی
قسمت نے کئے وہ دل پہ ستم دو چاہنے والے مل نہ سکے
کہنے کو بہار آئی تھی مگر دو پھول خوشی کے کھل نہ سکے
ارمانوں کا گلشن اجڑ گیا۔ بربادجوانی ہو گئی
دل دیکھے یہاں سب ہار گئے دنیا میں کسی کی جیت کہاں!
ہونٹوں پہ ہیں شکوے قسمت کے وہ پیار بھرے اب گیت کہاں
جب کھیل ہی دل کا بگڑ گیا ہر بات پرانی ہو گئی

○

ملتے ہی آنکھیں دل ہوا دیوانہ کسی کا
افسانہ میرا بن گیا افسانہ کسی کا
پوچھو نہ محبت کا اثر ہائے نہ پوچھو
دم بھر میں کوئی ہو گیا پروانہ کسی کا
ہنستے ہی نہ آجائیں کہیں آنکھوں میں آنسو
بھرتے ہی چھلک جائے نہ پیمانہ کسی کا

○

نہ سوچا تھا یہ دل لگانے سے پہلے
کہ ٹوٹے گا دل مسکرانے سے پہلے

امیدوں کا سورج نہ چمکا نہ ڈوبا
گہن پڑ گیا جگمگانے سے پہلے

اگر غم اٹھانا تھا قسمت میں اپنی
خوشی کیوں ملی غم اٹھانے سے پہلے

کہو بجلیوں سے نہ دل کو جلائیں
مجھے پھونک دیں گھر جلانے سے پہلے

کھیلو رنگ ہمارے سنگ آج دن رنگ رنگیلا آیا
نگہ نگہ میں پریم رم جھم رم جھم رنگ انوکھا برسے
کیسے میں کھیلوں پھاگ مرا دل پیا ملن کو ترسے
دیکھو مری چندری کا رنگ سکھی دھانی ہے — کھو نہ کہیں دنیا یہ پیار کی نشانی ہے
میں ہوں ترے سنگ بلم تو ہے مرے سنگ — رنگ ڈالو رنگ ڈالو رنگ۔ کھیلو رنگ
آؤ آؤ سجن میرے دوار۔ رنگ ڈالوں گی تم پہ پیار
آج کوئی راجہ نہ آج کوئی رانی ہے — پیار بھرے جیون کی ایک کہانی ہے
آئی خوشی ساتھ لئے دل کے نئے ڈھنگ — رنگ ڈالو رنگ ڈالو رنگ کھیلو رنگ

محبت چومے جن کے ہاتھ جوانی پاؤں پڑے دن رات سپنے پھر ملے وہ کس کی بات
ایک تو سندر مکھڑا ان کا اس پہ لاکھ ادائیں۔ ہم اکیلے دکھ کہاں بچائیں اکیلے دونا کھڑے لجائیں
چاند ستارے مست نظارے سب ہیں انہیں کے ساتھ... محبت چومے جن کے ہاتھ
روپ نگر سے آکر جیندا ان کا روپ چرائے۔ مرا من دیکھ دیکھ رہ جائے۔ بھلا یہ بات مجھے کیوں بھلائے
نینوں میں ان کے کاجل بن کے رہے سہانی رات... محبت چومے جن کے ہاتھ!

آج مرے من میں سکھی بانسری بجائے کوئی!
پیار بھرے گیت سکھی بار بار گائے کوئی
بانسری بجائے سکھی گائے سکھی ری۔ کوئی چھبیلا ہو کوئی البیلا ہو کوئی چھیلا ہو
رنگ میری جوانی کا لئے جھومتا گھر آیا ہے ساون۔ ہے سکھی ہری سکھی آیا ہے ساون میرے نینوں میں ہے ساجن
ان اودی گھٹاؤں میں ہواؤں میں سکھی نچے مرا من ہے سکھی ناچے مرا من ہے آنگن میں ساون نے بجا دی ہو جی
دل کے ہنڈولے پہ مجھے جھولنا جھلائے کوئی پیار بھرے گیت سکھی...
کہتا ہے اشاروں میں کوئی آ مورے امبوا کے تلے مل۔ بھلا وہ کون ہے گھائل
میں نام نہ لوں آج لگے لاج سکھی دھڑکے مرا دل۔ ہے سکھی دھڑکے مرا دل۔

ہے آنگن میں ساون من بھاون ہو جی
تار پہ جیون کے مدھر راگنی سنائے کوئی پیار بھرے گیت سکھی ....

مان میرا احسان ارے نادان کہ میں نے تجھ سے کیا ہے پیار
میری نظر کی دھوپ نہ پڑتی روپ تو ہوتا تن تیرا بیکار

الفت نہ سہی نفرت ہی سہی اسکو بھی محبت کہتے ہیں
تو لاکھ چھپائے بھید مگر ہم دل میں سمائے رہتے ہیں
تیرے بھی دل میں آگ اٹھی ہے جاگ زباں سے چاہے نہ کر اقرار

اپنا نہ بنالوں تجھ کو اگر اک روز میرا نام نہیں
پتھر کا جگر پانی کر دوں یہ تو کوئی مشکل کام نہیں
چھوڑ دے اب یہ کھیل تو کر لے میل مرے سنگ مان لے اپنی ہار

○

دل میں چھپا کے پیار کا طوفان لے چلے
ہم آج اپنی موت کا سامان لے چلے
مٹتا ہے کون دیکھئے الفت کی راہ میں
وہ لے چلے ہیں آن تو ہم جان لے چلے
منزل پہ ہوگا فیصلہ قسمت کے کھیل کا
کر دے جو دل کا خون وہ مہمان لے چلے

○

بچپن کے دن بھلا نہ دینا
آج ہنسے کل رلا نہ دینا

لمبے ہیں جیون کے رستے　　　آؤ چلیں ہم گاتے ہنستے
دور دیش اک محل بنائیں　　　پیار کا جس میں دیپ جلائیں
دیپ جلا کر بجھا نہ دینا
رت بدلے یا جیون بیتے　　　دل کے ترانے ہوں نرالے
نینوں میں بن کر سپن سہانے　　　آئیں گے اکدن یہی زمانے
یاد ہماری مٹا نہ دینا

○

چمن میں رہ کے ویرانہ میرا دل ہوتا جاتا ہے
خوشی میں آج کل بھی کچھ غم بھی شامل ہوتا جاتا ہے
نہ جانے کیوں بدلتی جا رہی ہے زندگی میری !
میں دل سے بے خبر دل مجھ سے غافل ہوتا جاتا ہے
یہ الجھن اور یہ بےچینی یہ دھڑکن اور یہ بیتابی
مرا دل جانے کن تیروں سے گھائل ہوتا جاتا ہے

○

تو کون ہے میرا کہدے بالم پڑے دل میں تو بسے پیاں
یہ بات بھلا میں کیسے کہوں تو لاگے مورا سیاں
بھولے من میں کب تک رکھوں چنچل بھید چھپائے
دل کی بات زباں تک آئے اور کہی نہ جائے

تو ہے دیکھ پیا شرمائے جیا۔ اب نا ہیں عمر لڑکیاں یہ بات بھلا
پریت ہے مہنگی اس دنیا میں دل کے سودے سستے
من کا رستہ ایک ہے بالم تن کے لاکھوں رستے
کھو جیو کہیں نا مل کے سجن یہ جگ ہے بھول بھلیاں یہ بات بھلا

○

دنیا نے تری دنیا والے سکھ چین ہمارا چھین لیا!
پہلے تو بسائی دل میں خوشی پھر دل کا سہارا چھین لیا
کیا کام ہمیں اب جینے سے مرنے کی دعائیں کیوں نہ کریں
طوفان میں کشتی آن پھنسی موجوں نے کنارا چھین لیا
اے غم کی گھٹا جا اور کہیں اب پاس ہمارے کچھ بھی نہیں
چمکایا تھا جس نے قسمت کو تو نے وہ ستارا چھین لیا

○

نصیب در پہ ترے آزمانے آیا ہوں
تجھی کو تیری کہانی سنانے آیا ہوں!
جو نغمے سوئے ہوئے ہیں ترے خیالوں میں
انہیں کو آج میں گا کر سنانے آیا ہوں
بہا بھی دے مری حالت پہ آج دو آنسو
میں اپنے دل کی لگی کو بجھانے آیا ہوں

اگر وہ سامنے ہوتے تو ان سے یہ کہتا
تیرے حضور میں بگڑی بنانے آیا ہوں

○

تصویر بناتا ہوں تری خونِ جگر سے
دیکھا ہے تجھے میں نے محبت کی نظر سے

جتنے بھی ملے رنگ وہ سب بھر دیئے تجھ میں
اک رنگ وفا اور ہے لاؤں وہ کدھر سے

ساون تری زلفوں سے گھٹا مانگ کے لایا
بجلی نے چرائی ہے تڑپ تیری نظر سے

میں دل میں بلا کر تجھے رخصت نہ کرونگا
مشکل ہے ترا لوٹ کے جانا مرے گھر سے

○

جھولے میں پون کے آئی بہار۔ نینوں میں نیا رنگ لائی بہار۔ پیار چھلکے
ڈولے من مورا سپنا۔ چندریا بار ڈھل کے۔ جھولے میں پون !!
بادل جھومتے آئے گاگر پیار کی لائے
کوئل کوکتی جائے بن میں مور بھی گائے۔ چھیڑیں ہم تم ملہار۔ پیار چھلکے جھولے میں پون کے
میرے تان سے اونچا تیرا جھولنا گوری

میرے جھولنے کے سنگ تیرے پیار کی ڈوری تو ہے جیون سنگھار، پیار چھلکے
جھولے میں پون .....

○

دور کوئی گائے دھن یہ سنائے تیرے بن چھلیا رے باجے نہ مرلیا رے
من کے اندر پیار کی اگنی نینا کھوئے کھوئے۔ راماں نینا کھوئے کھوئے
ابھی سے ہے یہ حال تو آگے نہ جانے کیا ہو کہار ے راما نہ جانے کیا ہوئے
نیند نہیں آئے۔ یہ ہا ستائے تیرے بن چھلیا رے باجے نہ مرلیا رے دور کوئی گائے
مورے انگنا لاج کا پہرہ پاؤں پڑی زنجیر
یاد کسی کی جب جب آئے لاگے جیا پہ تیر
آنکھ بھر آئے۔ جل بر سائے تیرے بن چھلیا رے باجے نہ مر لیا رے - دور کوئی گائے

○

تو گنگا کی موج میں جمنا کا دھارا۔ رہے گا ملن یہ ہمارا تمہارا
اگر تو ہے ساگر تو منجدھار میں ہوں
ترے دل کی کشتی کا پتوار میں ہوں
چلے گی اکیلے نہ تم سے یہ نیا!
ملے گی نہ منزل تمہیں بن کھویا، چلے آؤ موجوں کا لے کر سہارا۔ رہے گا ملن
بھلا کیسے ٹوٹیں گے بندھن یہ دل کے
بچھڑتی نہیں موج سے موج مل کے

چھپو گے بھنور میں تو چھپنے نہ دیں گے
ڈبو دیں گے نیا تمہیں ڈھونڈ لیں گے
بنائیں گے طوفان کو اکدن کنارا۔ رہے گا ملن

○

ہری اوم۔ ہری اوم۔ ہری اوم۔ ہری اوم
من تڑپت ہری درشن کو آج
مورے تم بن بگڑے سگرے کاج۔ بنتی کرت ہوں رکھیو لاج من تڑپت
تمرے دوار کا ہوں میں جوگی — ہمری اور نظر کب ہوگی!
سنو مورے بیاکل من کا باج — تڑپ ہری درشن کو آج
بن گرو گیان کہاں سے پاؤں — دیجو دان ہری گن گاؤں
سب گنی جن پہ تمرا راج — تڑپت ہری درشن کو آج

○

نردھن کا گھر لوٹنے والے لوٹ لو دل کا پیار۔ پیار وہ دھن ہے جس کے آگے
سب دھن ہیں بیکار
انسان بنو کر لو بھلائی کا کوئی کام
دنیا سے چلے جاؤ گے رہ جائیگا بس نام
اس باغ میں سورج بھی نکلتا ہے لئے غم۔ پھولوں کی ہنسی دیکھ کے رو دیتی ہے شبنم
کچھ دیر کی خوشیاں ہیں تو کچھ دیر کا ماتم

کس نیند میں ہو جاگو ذرا سوچ لو انجام انسان بنو

لاکھوں یہاں شان اپنی دکھاتے آئے۔ دم بھر کے لئے ناچ گئے دھوپ میں سائے
وہ بھول گئے تھے کہ یہ دنیا ہے سرائے

آتا ہے کوئی صبح تو جاتا ہے کوئی شام۔ انسان بنو

کیوں تم نے لگائے ہیں ظلم کے ڈیرے۔ دھن ساتھ نہ جائیگا بنے کیوں ہو لٹیرے
پیتے ہو غریبوں کا لہو شام سویرے

خود باپ کرو نام ہو شیطان کا بد نام۔ انسان بنو

○

میرا سلام لے جا۔ دل کا پیام لے جا۔ الفت کا جام لے جا اڑن کھٹولے والے راہی
اڑنا ہوا دُں میں بادل کی چھاؤں میں کون سے گاؤں میں جائے گا تو
نیچے زمین ہے دنیا حسین ہے دل کو یقین ہے آئے گا تو۔ میرا سلام لے جا
اونچی اڑان ہے۔ پنکھوں پہ جان ہے آگے طوفان ہے جانا کہیں
منزل بھی دور ہے ہمت بھی چور ہے۔ آنا ضرور ہے آجا یہیں۔ میرا سلام لیجا

○

مورے سیاں جی اترینگے پار۔ ہو۔ ندیا دھیرے بہو
چنچل دھارا بہتا پانی
جل تھل ندیا و پرانی سر پہ ٹھاڑا منجدھار ہو۔ ندیا دھیرے بہو مورے سیاں جی...

تال تلیاں دنیا جانے
من کا ساگر کو ہو تہ جانے ہیں جا تو یا مورا یار۔ ہو ندیا دھیرے بہو۔ مورے سیّاں جی

گھر آیا مہمان۔ کوئی جان نہ پہچان بنے بالما۔ ہو بڑا ظالما
پہلے نینن میں پھر من میں آیا
چاندنی میرے جیون میں لایا
چندا کی کھڑکی سے دیکھے وہ گھور کھڑا دور رجیا چور
موسے چھیڑے ہر آن کرے مان بے ایمان بنے بالما۔ ہو بڑا ظالما
کرے نٹ کھٹ اشاروں میں بتیاں
جیا دھڑکے مورا پھڑکیں انکھیاں لاگے نہ موا یہ برہا کا تیر۔ ہے ہائے نیر اٹھے پیڑ
کہیں جائے نہ جان۔ میں نادان وہ انجان بنے بالما ہو بڑا ظالما

ہمارے دل سے نہ جانا۔ دھوکا نہ کھانا۔ دنیا بڑی بے ایمان۔ ہو پیا دنیا بڑی بے ایمان
ہیں ہو لچی پیار کی پہلی نشانی ۔ آنکھوں سے آج کہدوں دل کی کہانی
سن لو جی پیاں پڑے دل دیکھو جی منتی کر دل
عمر بھر لاج نبھانا دل نہ دکھانا۔ ملا کہا میرا مان .... ہمارے دل سے
بیٹھے دو لوبل یہاں مشکل ہیں بولنا۔ دنیا سے بھید کبھی من کے نہ کھولنا

چھوٹی ہے پریت یہاں کوئی نہ میت یہاں
بُرا ہے زمانہ۔ ٹوٹے جیا نا۔ الجھن میں ہے میری جان... ہمارے دل سے

سنبھل کر کھیلنا دریا سے موجوں کی روانی میں جلیں گے دل ہزاروں آگ لگ جائے گی پانی میں
نہ طوفاں سے کھیلو نہ ساحل سے کھیلو میرے پاس آؤ میرے دل سے کھیلو
یہ کہتے ہیں تم سے امنگوں کے دھارے
لگا دو محبت کی نیا کنارے
چلو دل کی دنیا میں سنگ سنگ ہمارے۔ ملا ہے جو رستہ تو منزل سے کھیلو نہ طوفاں سے
لگی دل کی پانی سے بجھ نہ سکے گی
جہاں تک بجھاؤ گے بڑھتی رہے گی
نہ سوچو کہ دنیا ہمیں کیا کہے گی۔ محبت ہے مشکل تو مشکل سے کھیلو، نہ طوفاں سے

محبت کی راہوں میں چلنا سنبھل کے
یہاں جو بھی آیا گیا ہاتھ مل کے

نہ پائی کسی نے محبت کی منزل
قدم ڈگمگائے ذرا دور چل کے

ہمیں ڈھونڈتی ہے بہاروں کی دنیا
کہاں آ گئے ہم چمن سے نکل کے

کہیں ٹوٹ جائے نہ حسرت بھرا دل
نہ یوں تیر پھینکو نشانہ بدل کے

آئی تھی رات جوش تمنا لئے ہوئے
جاتی ہے اب لٹی ہوئی دنیا لئے ہوئے
ستاروں کی محفل سجی تم نہ آئے
نہیں ہم نے آواز دی تم نہ آئے
بچھڑنے کو یہ رات کا کارواں ہے
ہوا چاند بے نور چپ آسماں ہے
چلی روٹھ کر چاندنی تم نہ آئے
ابھی جاگتے ہیں امیدوں کے تارے
چلے آؤ پیارے محبت پکارے
بہاروں کو نیند آ گئی تم نہ آئے

حال دل میں کیا کہوں مشکل ہے میرے سامنے
بھولے بھالے روپ میں قاتل ہے میرے سامنے
میری امیدوں کی کشتی پار ہو جانے بھی دے
رک جائے طوفان تو ساحل ہے میرے سامنے

جوش کہتا ہے کہ چل اور ہوش کہتا ہے سنبھل
کس کا کہنا مان لوں منزل ہے میرے سامنے

○

چلے آج تم جہاں سے ہوئی زندگی پرائی — تمہیں مل گیا ٹھکانہ ہمیں موت بھی نہ آئی
او دور کے مسافر ہم کو بھی لے لے۔ ہم رہ گئے اکیلے
تو نے وہ دیدیا غم بے موت مر گئے ہم
دل اٹھ گیا جہاں سے لے چل ہمیں یہاں سے
کس کام کی یہ دنیا جو زندگی سے کھیلے۔ ہم کو بھی ساتھ لیلے۔
سوتی ہیں دل کی راہیں خاموش ہیں نگاہیں
ناکام حسرتوں کا اٹھنے کو ہے جنازہ
چاروں طرف لگے ہیں بربادیوں کے میلے۔ ہم کو بھی ساتھ لیلے

○

نہ رو اے دل کہیں رونے سے تقدیریں بدلتی ہیں
کہیں آنسو بہانے سے تمنائیں نکلتی ہیں
نتیجہ مل گیا ہمکو کسی سے دل لگانے کا — ستم دیکھا نصیبوں کا کرم دیکھا زمانے کا
محبت آہ بھرتی ہے وفائیں ہاتھ ملتی ہیں
لٹے جاتے دل ہم تیری دنیا کنارے پر — محبت کے بھروسے پر امیدوں کے سہارے پر
خبر کیا تھی کہ ظالم آندھیاں بھی ساتھ چلتی ہیں

انصاف کا مندر ہے یہ بھگوان کا گھر ہے
کہنا ہے جو کہدے تجھے کس بات کا ڈر ہے

ہے کھوٹ ترے من میں جو بھگوان سے ہے دور
ہے پاؤں ترے پھر بھی تو آنے سے ہے مجبور
ہمت ہے تو آجا یہ بھلائی کی ڈگر ہے۔۔ انصاف کا

دکھ دے کے جو دکھیا سے نہ انصاف کرے گا
بھگوان بھی اسکو نہ کبھی معاف کرے گا !
یہ سوچ لے ہر بات کی داتا کو خبر ہے… انصاف کا

ہے پاس ترے جس کی امانت اسے دیدے
نردھن بھی ہے انسان محبت اسے دیدے
جس در پہ سبھی ایک ہیں بندے یہ وہ در ہے… انصاف

مایوس نہ ہو ہار کے تقدیر کی بازی ! !
پیارا ہے وہ غم جس میں ہو بھگوان بھی راضی
دکھ درد ملے جس میں وہی پیار امر ہے … انصاف کا

○

خاموش ہے کھیون ہار میری نیا ڈوبی جاتی ہے
زندہ ہوں مگر اب جینے کی امید بھی ٹوٹی جاتی ہے

ساحل کی تمنا تھی مجھکو منجدھار میں بیڑا جا پہنچا
جینے کی دعائیں کیا مانگوں باقی تو گلے تک آ پہنچا

دل ڈھونڈ رہا ہے دنیا کو دنیا ہے کہ چھوٹی جاتی ہے

پربتوں میں ہے تیرے لاج مری سن آج ذرا فریاد مری

تو دور ہیں مجبور نہیں نگری ہے مگر برباد مری

کیا یوں ہی غریبوں کی دنیا سنسار میں لٹتی جاتی ہے

غم اپنا زباں تک لا نہ سکوں سنسار کو منہ دکھلا نہ سکوں !!

گھٹتا ہے جو دم رکھتے ہیں قدم منزل کی طرف بھی جا نہ سکوں

بھٹکا ہوا راہی جان کے اب تقدیر بھی روٹھی جاتی ہے

○

تمنا لٹ گئی پھر بھی ترے دم سے محبت ہے مبارک غیر کو خوشیاں مجھے غم سے محبت ہے

نہ ملتا غم تو بربادی کے افسانے کہاں جاتے

اگر دنیا چمن ہوتی تو ویرانے کہاں جاتے

چلو اچھا ہوا اپنوں میں کوئی غیر تو نکلا اگر ہوتے سبھی اپنے تو بیگانے کہاں جاتے

دعائیں دو محبت ہم نے مٹ کر تم کو سکھلا دی نہ جلتی شمع محفل میں تو پروانے کہاں جاتے

تمہیں نے غم کی دولت دی بڑا احسان فرمایا زمانے بھر کے آگے ہاتھ پھیلانے کہاں جاتے

○

جانے والے سے ملاقات نہ ہونے پائی

دل کی دل ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی

چاندنی کھل نہ سکی چاند نے منہ موڑ لیا
جس کا ارمان تھا وہ رات نہ ہونے پائے
دل میں طوفان اٹھے پھر بھی زباں کھل نہ سکی
بدلیاں چھا گئیں برسات نہ ہونے پائی !

○

منگوں کو سکھی پی کی نگریا کیسے لیجاؤں   کمر لچکے موری بھاری گگریا کیسے لیجاؤں
ڈگر میں روپ کے لوبھی نگر میں من کے میلے ہیں
یہاں پاپی نظروں کے ہزاروں جال پھیلے ہیں
بھرے بازار میں بالی عمریا کیسے لیجاؤں
موہے دنیا سے ڈر لاگے یہاں لاکھوں ہیں متوالے
نہ جانے کوئی البیلا موہے کس رنگ میں رنگ ڈالے
رنگیلوں میں بھلا کوری چنریا کیسے لیجاؤں
لگا کے ہاتھ میں مہندی رچا کے نینوں میں رسیا
دلہنیا بن کے نکلی ہوں ملیں گے آج من بسیا
سجن کے دوار سے پیاسی نظریا کیسے لیجاؤں

○

رادھا کے پیارے کرشن کنہائی تیری دہائی
ہم بھی ہیں تیرے کچھ تو دیا کر لاکھوں کی تو نے بگڑی بنائی

تو ان کا ہے کوئی نہ جن کا جگ ساگر میں ہے تنکا
طوفان سے آج بچا لے۔ او میرے کاہن کالے
فریاد میں ہے کہ تیرے دوار آئی۔ کرشن کنہائی۔ ہم بھی تیرے .....
سنسار کا تو ہے راجہ۔ نردھن کے کام بھی آ جا
پریتم کا ساتھ نہ چھوٹے بیکس کی آس نہ ٹوٹے
ہیں آشا کی کلیاں چرنوں میں لائی کرشن کنہائی ہم بھی تیرے ....

نہ شکوہ ہے کوئی نہ کوئی گلہ ہے — سلامت رہے تو یہ میری دعا ہے
بہت ہی کٹھن ہیں محبت کی راہیں — ذرا بچکے چلنا زمانہ برا ہے
عجب تیری محفل میں دیکھا تماشا — کہیں روشنی ہے کہیں ہے اندھیرا
مقدر چراغوں کے بدلے ہوئے ہیں — کوئی بجھ رہا ہے کوئی جل رہا ہے
مبارک تجھے ہو ترے دل کی دنیا — مری زندگی کا کوئی غم نہ کرنا
یہ سب گردشیں ہیں نصیبوں کی پیارے — نہ میری خطا ہے نہ تیری خطا ہے

چندن کا پلنا ریشم کی ڈوری
جھولا جھلاؤں نندیا کو توری
سو جا تو ایسے موری سجنیا۔ سجیا پہ سوئے جیسے دلہنیا

چندہ کا ٹیکا ماتھے لگاؤں تاروں کی مالا تجھکو پہناؤں
توہے سلاؤں گا گا کے لوری جھولا جھولاؤں
اونچے گگن سے کوئی بلائے آتی ہیں پریاں ڈولا سجائے
ساجن سے ملنے دور چلی جا۔ اڑ کے تو نندیا پور چلی جا۔
چندہ پکارے آجا چکوری جھولا جھولاؤں

○

جوگن بن جاؤں گی۔ سیاں تورے کارن سیاں تورے کارن ہو بلما تورے کارن
جیت لیا تورے گیت نے من کو
آگ لگی مورے بالا پن کو!
نینوں میں کوئی آئے نہ دوجا
کروں گی لندن پریتم پوجا۔ بھجن تورے گاؤں گی بن کے پجارن
میں رسیا تورے من میں رہوں گی
پیار سے اپنی جھولی بھروں گی
او من بسیا او البیلے
چھوڑ کے اونچے محل دو محلے۔ میں تیری گلی آؤں گی بن کے بھکارن

○

محلوں میں رہنے والے ہمیں تیرے در سے کیا
نگری ہے اپنی پیاری ہمیں اونچے گھر سے کیا

چھوٹا بڑا نہ کوئی برابر ہیں سب یہاں
پیدا کیا ہے جس نے اسی کا ہے یہ جہاں
اسی کا ہی آسرا ہے ہمیں دنیا بھر سے کیا۔ محلوں میں رہنے والے
او دینے والو ہم کو دولت کی بھیک دو
جھولی ہے دل کی خالی محبت کی بھیک دو
بھوکے ہیں اک نظر کے ہمیں اس نظر سے کیا۔ محلوں میں رہنے
ذلت سے میرے موتی بھی مالک قسم نہ لیں
نفرت سے گر ملے تو محبت بھی ہم نہ لیں

یہی ارمان ہے کہ آج اپنے گھر سے ہم نکلے
جہاں ہے زندگی اپنی اسی کوچے میں دم نکلے
ستارو جگمگاؤ تم۔ بہارو مسکراؤ تم ۔ مری اجڑی محبت کی ہنسی ملکر اڑاؤ تم
جنہیں سجدے کئے ہم نے وہ پتھر کے صنم نکلے
تمنا ہے یہی اب تو مرا سر ہو ترا در ہو ۔ نہ آنسو کوئی آنکھوں میں نہ شکوہ کوئی لب پر ہو
اگر یوں موت آجائے تو اپنے دل سے غم نکلے

آئے نہ بالم وعدہ کرکے تھک گئے نیناں دھیرج دھر کے
چھپ گیا چندا لٹ گئی جوتی

تارے بن گئے جھوٹے موتی
پڑ گئے پھیکے رنگ نظر کے ۔ ۔ ۔ آئے نہ بالم ۔ ۔ ۔
آؤ کہ تم بن آنکھوں میں دم ہے
رات ہے لمبی جیون کم ہے
دیکھ لوں تم کو میں جی بھر کے ۔ ۔ ۔ ۔ آئے نہ بالم ۔ ۔

پی کے گھر آج پیاری دلہنیا چلی
روئیں ماتا پتا ان کی دنیا چلی
بھیا بہنا کے دلکو لگی ٹھیس رے
میری قسمت میں جانا تھا پردیس رے
چھوڑ کر اپنے بابل کا انگنا چلی ۔ پی کے گھر ۔ ۔ ۔
میّا بابا نے سکھ موہے سارے دئے
مورے گہنے میں چاند اور ستارے دئے
ساتھ لیکے میں سارا اگنوا چلی ۔ پی کے گھر ۔ ۔ ۔
کوئی گن ڈھنگ نہ مجھ میں کوئی بات ہے
مورے چوڑیوں کی لاج اب تورے ہاتھ ہے
تورے سنگ میں جیون بھر کو سجنا چلی ۔ پی کے گھر

ہو گھٹ گھٹ کرتی چھم چھم کرتی گاڑی ہری جائے فرفر سب اُلٹے کوئی پکڑ نہ جائے
گاڑی والے گاڑی دھیرے ہانک رے
جیا اُڑا جائے لڑے آنکھ رے

دل کھائے ہچکولے گاڑی لے چل ہولے ہولے۔ بندیا موری گر گر جائے نتھنی ہائے ڈولے
دیکھ نظر نا لاگے رے گوری کا ہے ٹھڑ اکھڑے۔ نینوں والی گھونگھٹ سے نہ جھانک رے
موری لال چندریا اڑ گئی رے موری بجرے ڈبیا گر گئی

ہوا میں اڑ گئی موری چندریا لگیں تو سے انکھیاں۔ گورا بدن تھر تھر کانپے دھڑکن لاگیں چھتیاں
ادا البیلی بیچ ڈگریا نا کہ ایسی بتیاں۔ نین سب لگوا کٹے ناکی رے گاڑی والے

○

گھونگھٹ نہیں کھولوں گی سیاں تورے آگے
عمر موری سیانی شرم موہے لاگے

مکھ پہ گھونگھٹ نینوں میں رسیا۔ من ہی من مسکاؤں
دل کی بتیاں۔ تو ہی سمجھ لے۔ میں کیسے تبلاؤں!
جیارا مورا لرزے بدن مورا کانپے۔ گھونگھٹ نہیں ....
ناچے انگ انگ مرلی کی دھن پہ گائے من متوالا
دل پہ مورے تو نے بلما کیسا جادو ڈالا !!!
جیا کو مورے لوٹا بنسریا بجا کے۔ گھونگھٹ نہیں ....

○

جو ندیا کٹتی جائے رے عمریا گھٹتی جائے رے
کام کٹھن ہے جیون تھوڑا۔ پگلا من گھبرائے۔ جو ندریا کٹتی جائے
دکھ درد سہیں بنجارے بھیا دھوپ میں دیکھیں تارے
دن رات بہائیں پسینہ ہم کچھ ہاتھ نہ آئے ہمارے
ہمری ساری محنت مایا ٹھگوا ٹھگ لے جائے ... جو ندریا ....
دھرتی پہ کتنے بارہ ماسے بیت گئے رے آکے
دنیا کے لئے ہے لیلا تیری ہمری بھاگ میں فاکے
کاغذ ہو تو بانچ لوں ربا بھاگ نہ باچو جائے .... جو ندریا
سنسار میں تیرے لوٹ مچی اور جان کے پڑ گئے لالے
اب روک جنم کی چکی رے سنسار چلانے والے
کال پڑا ہے روٹی کا اور دنیا بڑھتی جائے ....جو ندریا ....

⊙

نگری نگری دوارے دوارے ڈھونڈوں رے سانوریا
پیا پیا رٹ کے میں تو ہو گئی رے باوریا
بیدردی بالم نے موہے پھونکا غم کی آگ میں۔
برہا کی چنگاری دھر دی دکھیا کے سہاگ میں
پل پل منوا روئے چھلکے نینوں کی گگریا نگری نگری ....
آئی تھی آنکھوں میں لے کر کیا کیا سپنے پیار کے
جاتی ہوں دو آنسو لے کر آشائیں سب ہار کے

جو ندیا کٹتی جائے رے عمریا گھٹتی جائے رے
کام کٹھن ہے جیون تھوڑا۔ پگلا من گھبرائے۔ جو ندریا کٹتی جائے
دکھ درد سہیں بنجارے بھیا دھوپ میں دیکھیں تارے
دن رات بہائیں پسینہ ہم کچھ ہاتھ نہ آئے ہمارے
ہمری ساری محنت مایا ٹھگوا ٹھگ لے جائے ... جو ندریا ....
دھرتی پہ کتنے بارہ ماسے بیت گئے رے آ کے
دنیا کے لئے ہے لیلا تیری ہمری بھاگ میں فاکے
کاغذ ہو تو بانچ لوں ربا بھاگ نہ بانچو جائے .... جو ندریا
سنسار میں تیرے لوٹ مچی اور جان کے پڑ گئے لالے
اب روک جنم کی چکی رے سنسار چلانے والے
کال پڑا ہے روٹی کا اور دنیا بڑھتی جائے ....جو ندریا ....

⊙

نگری نگری دوارے دوارے ڈھونڈوں رے سانوریا
پیا پیا رٹ کے میں تو ہو گئی رے باورِیا
بیدردی بالم نے موہے پھونکا غم کی آگ میں۔
برہا کی چنگاری دھر دی دکھیا کے سہاگ میں
پل پل من وا رووے چھلکے نینوں کی گگریا نگری نگری ...
آئی تھی آنکھوں میں لے کر کیا کیا سپنے پیار کے
جاتی ہوں دو آنسو لے کر آشائیں سب ہار کے

دنیا کے میلے میں لٹ گئی جیون کی گٹھریا۔ نگری نگری دوارے
درشن کے دو بھوکے نیناں جیون بھر نہ سوئیں گے
بچھڑے ساجن مرتے کارن جیون بھر ہم روئینگے
اب نہ جانے راما کیسے بیتے گی عمریا۔ نگری نگری ....

دنیا میں ہم آئے ہیں تو جینا ہی پڑے گا
جیون ہے اگر زہر تو پینا ہی پڑے گا
گر گر کے مصیبت میں سنبھلتے ہی رہیں گے
جل جائیں مگر آگ پہ چلتے ہی رہیں گے
غم جس نے دیئے ہیں وہی غم دور کرے گا
عورت ہے وہ عورت جسے دنیا کی شرم ہے
سنسار میں بس لاج ہی ناری کا دھرم ہے
زندہ ہے جو عزت سے وہ عزت سے مریگا
مالک ہے ترے ساتھ نہ ڈر غم سے تو اے دل
محنت کرے انسان تو کیا کام ہے مشکل
جیسا جو کرے گا یہاں ویسا ہی بھرے گا

او میرے لال آ جا۔ تجھکو گلے لگا لوں۔ دل میں تجھے چھپا لوں
او میرے دل کے ٹکڑے او ممتا کے پیارے
سن لے کہ تیری ماں ہے زندہ ترے سہارے
ماں سے تو کیوں خفا ہے آ میں تجھے منا لوں۔
دل میں تجھے چھپا لوں او میرے لال آ جا

رو رو کے مانگتی ہوں تیرے لئے دعائیں
مر جاؤں تیرے بدلے لے کر تری بلائیں
جیون مٹا کے اپنا جیون ترا بچا لوں دل میں تجھے چھپا لوں
او میرے لال آجا

تیرے لئے ہوں پاگل آخر کو ماں ہوں تیری
جگ میں نہ ہے تو زندہ اجڑے نہ گود میری
اکبار اپنے ہاتھوں دولہا بنا لوں۔ دل میں تجھے چھپا لوں
او میرے لال آجا

نا میں بھگوان ہوں نا میں شیطان ہوں
دنیا جو چاہے سمجھے میں تو انسان ہوں
مجھ میں بھلائی بھی مجھ میں برائی بھی ! !
لاکھوں ہیں میل دل میں تھوڑی سی صفائی بھی

تھوڑا سا نیک ہوں تھوڑا بے ایمان ہوں... نا میں بھگوان ہوں....
نا کوئی راج ہے نا سر پہ تاج ہے!
پھر ہمارے دم سے دھرتی کی لاج ہے
تن کا غریب ہوں من کا دھنوان ہوں .... نا میں بھگوان ہوں...
جیون کا گیت ہے سُر میں نہ تال میں
الجھی ہے ساری دنیا روٹی کے جال میں
کیسا اندھیرا ہے میں بھی حیران ہوں .... نا میں بھگوان ہوں....

○

او جانے والو جاؤ نہ گھر اپنا چھوڑ کے
ماتا بلا رہی ہے تمہیں ہاتھ جوڑ کے
نگری تمہاری گلیاں تمہاری یہ بستیاں
ان سب کو چھوڑ کر اے جاتے ہو تم کہاں!
اجڑی ہے لاکھ پھر بھی ہے دھرتی تمہاری ماں
دنیا میں سکھ نہ پاؤ گے دل ماں کا توڑ کے۔ او جانے والو
ٹھہرو پکارتی ہے تمہاری زمیں تمہیں
کہتا ہے آسمان ہے جینا یہیں تمہیں
لوٹ آؤ ماں کی مانگ لگے نہ کہیں تمہیں
رک جاؤ جا رہے ہو کہاں منہ موڑ کے۔ او جانے والو

○

اکیلے اکیلے کہاں جا رہے ہو مجھے ساتھ لے لو جہاں جا رہے ہو
تمہارے سنگ میں بھی چلوں گی۔ پیا جیسے پتنگ پیچھے ڈور
جانے نہ دوں گی سیاں اکیلے۔ بھول بھلیاں پیا دنیا کے میلے۔ دل کو تمہارے ہمیں نہ لیلے
یہاں لاکھوں ہیں چور چلے دل پہ نہ زور۔۔۔ تمہارے سنگ
جاتے ہو جاؤ مگر اتنا کہونگی۔ دل میں تمہارے پیا ہر دم رہوں گی دیکھگی دنیا ایسی الفت کرونگی
جیسے چندا چکور جیسے ساون میں مور ۔۔۔ تمہارے سنگ

○

آنے والے کو آنا ہو گا جانے والے کو جانا ہو گا
مل ہے پیار کی منزل نئے سفر کے لئے
تمہارے ہو گئے ہم آج عمر بھر کیلئے
پیار کر کے نبھانا ہو گا آنے والے کو آنا ہو گا
خوشی کی موج میں ہم آج ڈوبے جاتے ہیں
ہمارے ہاتھ سے پتوار چھوٹے جاتے ہیں
عشق میں ڈوب جانا ہو گا۔ آنے والے کو آنا ہو گا
ہمارے پیار کے قصے سنائے جائیں گے
یہ گیت سارے زمانے میں گائے جائینگے
ہم نہ ہوں گے فسانہ ہو گا۔ آنے والے کو آنا ہو گا

○

تیری محفل تیرا جلوہ تیری صورت دیکھ لی
میری آنکھوں نے اسی دنیا میں جنت دیکھ لی

اے مری جان تمنا اے میری جانِ وفا
پیار کی منزل دکھا دی تو نے تیرا شکریہ
تیرے در پہ مسکراتی ہیں تے قسمت دیکھ لی

ایک اک ادا پر لاکھوں گرنے والی بجلیاں
یہ جوانی یہ ادائیں یہ تڑپ یہ شوخیاں
سر سے لے کر پاؤں تک میں نے قیامت دیکھ لی

عمر بھر زندہ رہوں گا میں سہارے پر ترے
زندگی اپنی لٹا دوں گا اشاروں پہ تیرے
میں نے تیری مست نظروں میں محبت دیکھ لی

دنیا ہے اسی کا نام کہیں شادی کہیں بربادی
کبھی صبح کبھی ہے شام کہیں شادی کہیں بربادی

نغمہ ہے کہیں شہنائی ۔ ماتم ہے کہیں تنہائی کا
کوئی زہر پیے کوئی جام دنیا ہے اسی کا نام ...

تم غیر سے ناتا جوڑ چلے اور مجھ کو تڑپتا چھوڑ چلے
سوچا نہ مرا انجام ۔ دنیا ہے اسی کا نام ....
ہو تم شاد ہو ہم ناکام دنیا ہے اسی کا نام ! !

عید کا دن ترے بن ہے پھیکا آجا آجا کہ دن ہے خوشی کا
ہم اکیلے اور یہ میلے عید ہے اور تری یاد ہے
چاند نکلا نہ میری خوشی کا۔ عید کیسی جو غم ہو کسی کا
میں قفس میں غم کے بس میں زندگی میری برباد ہے
عید مل جا کہ دل کا مٹے غم جانے اگلے برس میں نہ ہوں ہم
کچھ بھروسہ نہیں زندگی کا ... عید کا دن
عید ہے اور مجبوریاں ہیں کیا کروں یار سے دوریاں ہیں
آج دن ہے بڑی بیکسی کا .... عید کا دن

O

اے میری زندگی کے سہارے کہاں ہے تو
مجھکو بھی اپنے پاس بلا لے جہاں ہے تو
آج گلیوں میں تری آیا ہے دیوانہ ترا
دل میں لے کر غم ترا ہونٹوں پہ افسانہ ترا
بھیک دے دیدار کی پردہ اٹھا جلوہ دکھا
مانگتا ہے حسن کی خیرات مستانہ ترا!
تو ہی دل کو حسن کی چنگاریوں سے پھونک دے
آگ میں غم کی جلا جاتا ہے پروانہ ترا
تیری مرضی ہے بنا دے یا مٹا دے تو مجھے
زندگی تجھ پہ ہے صدقے دل ہے نذرانہ ترا

چاند چھپا اور تارے ڈوبے رات غضب کی آئی
حسن چلا ہے عشق سے ملنے ظلم کی بدلی چھائی
ٹوٹ پڑی ہے آندھی غم کی آج پون ہے پاگل
کانپ رہی ہے دھرتی ساری چیخ رہے ہیں بادل
دنیا کے طوفان ہزاروں حسن کی اک تنہائی
موت کی ناگن آج کھڑی ہے راہ میں پھن پھیلائے
جنگل جنگل ناچ رہے ہیں شیطانوں کے سائے
آج خدا خاموش ہو جیسے بھول گیا ہو خدائی
گھور اندھیرا مشکل راہیں قدم قدم پر دھوکے
آج محبت رک نہ سکے گی چاہے خدا بھی روکے
راہ فنا میں پیچھے ہٹنا پیار کی ہے رسوائی
پار ندی کے یار کا ڈیرا آج ملن ہے تیرا
اوڑھ لے تو لہروں کی چندری باندھ لے موج کا سہرا
ڈولے میں منجدھار کے ہو گی تیری آج بدائی
ڈوب کے ان اونچی لہروں میں نیا پار لگا لے
الفت کے طوفان میں زندہ رہتے ہیں مرنے والے
جیتے جی سنسار میں کس نے پیار کی منزل پائی
تیرے دل کے خون سے ہو گا لال چناب کا پانی
دنیا کی تاریخ میں لکھی جائے گی یہ قربانی
سوہنی اور مہینوال نے اپنی عشق میں جان گنوائی

مدھ بن میں رادھیکا ناچے رے۔ گردھر کی مرلیا باجے رے
پگ میں گھونگھرو باندھ کے گھونگھٹ مکھ پہ ڈار کے
نینوں میں کجرا لگا کے رے۔ مدھ بن میں . . .

ڈولت چھم چھم کامنی چمکت جیسے دامنی
چنچل پیاری چھب لاگے رے مدھ بن میں

○

دوستاروں کا زمیں پہ ہے ملن آج کی رات
مسکراتا ہے امیدوں کا چمن آج کی رات
رنگ لاتی ہے مرے دل کی لگن آج کی رات
ساری دنیا نظر آتی ہے دلہن آج کی رات

حسن والے تری دنیا میں کوئی آیا ہے
تیرے دیدار کی حسرت بھی کوئی لایا ہے
توڑ دے توڑ دے پردے کا چلن آج کی رات

ان سے ملنے کی تمنا تھی وہی آتے ہیں
چاند تارے مری راہوں میں بچھے جاتے ہیں
چومتا ہے مرے قدموں کو گگن آج کی رات

○

جا دو گہ قاتل حاضر ہے مرا دل۔ تو دل میں بھر دے پیار
بھلا ہو تیرا تجھکو تیری نوجوانی کی قسم

دل کا ستارہ ہے نغمہ ہے پیار ہے فصل بہار ہے۔ میرے لئے
جادو جگاؤں گی۔ ناچونگی گاؤں گی۔ دنیا لٹاؤں گی تیرے لیے
ہائے جادوگر قاتل حاضر ہے مرا دل۔ تو دل میں ...
جیون کی راگنی۔ چندا کی چاندنی۔ میں ہوں سہاگنی تیری بلم
دل میرا تھام لے الفت کا نام لے۔ ہمت سے کام لے میرے صنم
ہائے جادوگر قاتل حاضر ہے مرا دل تو دل میں

○

دل کا افسانہ سناتے ہیں سنانے والے   کاش سمجھیں نہ محبت کو مٹانے والے
پیار کا نام بھی لیتے ہوئے ڈر لگتا ہے   تیر کھینچے ہوئے بیٹھے ہیں زمانے والے
چلیں گے تیر جب دل پر تو ارمانوں کا کیا ہوگا   لٹے گا گھر تو پھر اس گھر کے مہمانوں کا کیا ہوگا
سنا ہے عشق میں آتے ہیں دن آنسو کے نالوں کے   ابھی تک تو سلامت ہیں گریباں عشق والوں کے
اگر فصل بہار آئی تو دیوانوں کا کیا ہوگا
اٹھا ہے شور ماتم شمع تیرے جاں نثاروں میں   ابھی تو دل ہی جلتے ہیں محبت کے شراروں میں
کسی نے پر جلا ڈالے تو پروانوں کا کیا ہوگا
ادھورے ہیں ابھی پورے نہیں قصے محبت کے   ابھی تو دل میں پوشیدہ ہیں افسانے قیامت کے
حقیقت ہو گئی ظاہر تو افسانوں کا کیا ہوگا
سنا ہے جام الفت میں بلا کا جوش ہے ساقی   ابھی تو دل ہے قابو میں ابھی تو ہوش ہے ساقی
اگر پی کر بنا لے اٹھے تو مستانوں کا کیا ہوگا

کوئی پیار کی دیکھے جادوگری !
گلفام کو مل گئی سبز پری !
ڈر آج نہیں ہے قاتل کا — آسان ہے رستہ منزل کا
نینوں میں نیا اک سپنا ہے — اب سارا زمانہ اپنا ہے
دنیا ہے ہماری پیار بھری ... کوئی پیار کی
ہم پیار کے پنچھی مستانے — کوئی رنگ ہمارا کیا جانے
نہیں ایک ٹھکانہ جیون کا — کل قید میں تھے اب گلشن میں
تقدیر کی ہے سب کاریگری کوئی پیار کی

○

یہ کیا زندگی ہے یہ کیسا جہاں ہے
جدھر دیکھئے ظلم کی داستاں ہے
کہیں ہے قفس میں کسی کا بسیرا — کہیں ہے نگاہوں میں غم کا اندھیرا
کہیں دل کا لٹتا ہوا کارواں ہے
یہاں آدمی آدمی کا دشمن ! — یہاں چاک انسانیت کا ہے دامن
محبت کا ہے اجڑا ہوا آشیاں ہے
یہ بے رحم دنیا سمجھ میں نہ آئی — یہاں کر رہے ہیں ستمگر خدائی
نہ جانے تو اے دنیا والے کہاں ہے

○

ڈھل چکی شام غم مسکرائے صنم
پیار سجنے لگا ساز بجنے لگا
آج پاس بھی ہے نغمۂ دل بھی ہے
آگئی ہے ملن کی سہانی گھڑی

اک نئی صبح دنیا میں آنے کو ہے
زندگی دل کے تاروں پہ گانے کو ہے
نہ سنگ الفت بہاروں میں شامل بھی ہے
وقت کی تال پر ناچتی ہے خوشی
گھنگروؤں کی صدا رنگ لانے کو ہے

جھومتے آرہے ہیں زمانے نئے
آج دل کی تمنا نکل جائے گی

حسرتیں گا رہی ہیں ترانے نئے
گیت ہوگا یہی سے بدل جائیگی
اک نیا راگ قسمت سنانے کو ہے

○

اے میرے مشکل کشا فریاد ہے فریاد ہے
آپ کے ہوتے ہوئے دنیا میری برباد ہے

بیکس پہ کرم کیجئے سرکار مدینہ ! گردش میں ہے تقدیر بھنور میں ہے سفینہ
ہے وقت مدد آئیے بگڑی کو بنانے
پوشیدہ نہیں آپ سے کچھ دل کے فسانے زخموں سے بھرا ہے کسی مجبور کا سینہ
چھائی ہے مصیبت کی گھٹا گیسوؤں والے
للہ مری ڈوبتی کشتی کو بچا لے
طوفان کے آثار ہیں دشوار ہے جینا

○

موہے پنگھٹ پہ نندلال چھیڑ گیوٗ رے
موری نازک کلیاں مرد گیوٗ رے

کنکری موہے ماری۔گاگریا پھوڑ ڈاری
موری ساری اناری بھگوئے گیو رے ..... موہے پنگھٹ پہ
نینوں سے جادو کیا۔جیا را موہ لیا
مورا گھونگٹا نجریوں سے تور گیوٗ رے.... موہے پنگھٹ پہ

○

انسان کسی سے دنیا میں اکبار محبت کرتا ہے اس درد کو لیکر جیتا ہے اس درد کو لیکر مرتا ہے
پیار کیا تو ڈرنا کیا۔جب پیار کیا تو ڈرنا کیا
پیار کیا کوئی چوری نہیں کی چھپ چھپ آہیں بھرنا کیا جب پیار کیا تو ڈرنا کیا
آج کہیں گے دل کا فسانہ۔جان بھی لے لے چاہے زمانہ
پیار وہی جو دنیا دیکھے گھٹ گھٹ کر یوں مرنا کیا جب پیار کیا
ان کی تمنا دل میں رہے گی۔شمع اسی محفل میں رہے گی
عشق میں جینا عشق میں مرنا اور ہمیں اب کرنا کیا جب پیار کیا ....
چھپ نہ سکے گا عشق ہمارا۔چاروں طرف ہے انکا نظارہ
پردہ نہیں جب کوئی خدا سے بندوں سے پردہ کرنا کیا
جب پیار کیا تو ڈرنا کیا

○

محبت کی جھوٹی کہانی پہ روئے
بڑی چوٹ کھائی جوانی پہ روئے
نہ سوچا نہ سمجھا نہ دیکھا نہ بھالا
تری آرزو نے ہمیں مار ڈالا
ترے پیار کی مہربانی پہ روئے
خبر کیا تھی دامن کو سینا پڑے گا
محبت چھپا کر بھی جینا پڑے گا
جئے تو مگر زندگانی پہ روئے

○

وفا کی راہ میں عاشق کی عید ہوتی ہے
خوشی مناؤ محبت شہید ہوتی ہے
زندہ باد، زندہ باد اے محبت زندہ باد   دولت کی زنجیروں سے تو رہتی ہے آزاد
مندر میں تو مسجد میں تو اور تو ہی ہے ایمانوں میں
دھرتی کی تانوں میں تو اور تو ہی ہے اذانوں میں
تیرے ہی دم سے دین دھرم کی دنیا ہے آباد زندہ باد
پیار کی آندھی رک نہ سکے گی نفرت کی دیواروں سے
خون محبت ہو نہ سکے گا خنجر سے تلواروں سے
مرجاتے ہیں عاشق زندہ رہ جاتی ہے یاد، زندہ باد

عشق بغاوت کر بیٹھے تو دنیا کا رخ موڑ دے
آگ لگا دے محلوں میں اور تاج شاہی توڑ دے
سینہ تانے موت سے کھیلے کچھ نہ کرے فریاد زندہ باد

تاج حکومت جس کا مذہب پھر اسکا ایمان کہاں
جس کے دل میں پیار نہ ہو وہ پتھر ہے انسان کہاں
پیار کے دشمن ہوش میں آ ہو جائیگا برباد زندہ باد

O

تری محفل میں قسمت آزما کر ہم بھی دیکھینگے ۔۔۔ گھڑی بھر کو ترے نزدیک آ کر ہم بھی دیکھیں گے
تیری محفل میں قسمت آزما کر ہم بھی دیکھینگے ۔۔۔ ترے قدموں پہ سر اپنا جھکا کر ہم بھی دیکھینگے
بہاریں آج پیغام محبت لے کے آئی ہیں ۔۔۔ بڑی مدت میں امیدوں کی کلیاں مسکرائیں ہیں
غم دل سے ذرا دامن بچا کر ہم بھی دیکھیں گے
اگر دل غم سے خالی ہو تو جینے کا مزہ کیا ہے ۔۔۔ نہ خون جگر تو اشک پینے کا مزہ کیا ہے
محبت میں ذرا آنسو بہا کر ہم بھی دیکھیں گے
محبت کرنے والوں کا ہے بس اتنا ہی افسانہ ۔۔۔ تڑپنا چپکے چپکے آہ بھرنا گھٹ کے مر جانا
کسی دن یہ تماشہ مسکرا کر ہم بھی دیکھیں گے
محبت ہم نے مانا زندگی برباد کرتی ہے ۔۔۔ یہ کیا کم ہے کہ مر جانے پہ دنیا یاد کرتی ہے
کسی کے عشق میں دنیا لٹا کر ہم بھی دیکھیں گے

یہ دل کی لگی کم کیا ہو گی یہ عشق بھلا کم کیا ہو گا
جب رات ہے ایسی متوالی پھر صبح کا عالم کیا ہو گا

نغموں سے برستی ہے مستی۔ چھلکے ہیں خوشی کے پیمانے
آج ایسی بہاریں آئی ہیں کل جن کے بنیں گے افسانے
اب اس سے زیادہ اور حسیں یہ پیار کا موسم کیا ہو گا

یہ آج کا رنگ اور یہ محفل دل بھی ہے یہاں دلدار بھی ہے
آنکھوں میں قیامت کے جلوے سینے میں تڑپتا پیار بھی ہے
اس رنگ میں کوئی جی لے اگر مرنے کا اسے غم کیا ہو گا

حالت ہے عجب دیوانوں کی اب خبر نہیں پروانوں کی
انجام محبت کیا کہیے لَے بڑھنے لگی ارمانوں کی!
ایسے میں جو پائل ٹوٹ گئی اے میرے ہمدم کیا ہو گا

⊙

ہمیں کاش تم سے محبت نہ ہوتی
کہانی ہماری حقیقت نہ ہوتی
نہ دل تم کو دیتے نہ مجبور رہتے نہ دنیا نہ دنیا کے دستور سہتے
قیامت سے پہلے قیامت نہ ہوتی
ہمیں بڑھ گئے عشق میں حد سے آگے زمانے نے ٹھوکر لگائی تو جاگے
اگر مر بھی جاتے تو حیرت نہ ہوتی

تمہیں پھونک دینے نشیمن ہمارا   محبت پہ احسان ہوتا تمہارا
زمانے سے کوئی شکایت نہ ہوتی

○

اے عشق یہ سب دنیا والے بیکار کی باتیں کرتے ہیں
پائل کے غموں کا علم نہیں جھنکار کی باتیں کرتے ہیں !
ہر دل میں چھپا ہے تیر کوئی۔ ہر پاؤں میں ہے زنجیر کوئی
پوچھے کوئی اُن سے غم کے مزے جو پیار کی باتیں کہتے ہیں
الفت کے نئے دیوانوں کو کس طرح سے کوئی سمجھائے
نظروں پہ لگی ہے پابندی دیدار کی باتیں کرتے ہیں
بھونرے ہیں اگر مدہوش تو کیا پروانے بھی خاموش تو کیا
سب پیار کے نغمے گاتے ہیں سب یار کی باتیں کرتے ہیں

○

وہ آئی صبح کے پردے سے موت کی آواز
کسی نے توڑ دیا جیسے زندگی کا ساز
خدا نگہبان ہو تمہارا دھڑکتے دل کا پیام لے لو
تمہاری دنیا سے جا رہے ہیں اٹھو ہمارا سلام لے لو
ہے وقت رخصت گلے لگا لو خطائیں بھی آج بخش ڈالو
بچھڑتے والو کا دل نہ توڑو ذرا محبت سے کام لے لو

اٹھے جنازہ جو کل ہمارا قسم ہے تم کو نہ دینا کاندھا
نہ ہو محبت ہماری رسوا یہ آنسوؤں کا پیام لیلو

(٠)

دو ہنسوں کا جوڑا بچھڑ گیو رے گجب بھیو راما جُلم بھیو رے
مرا سکھ چین بھی جیون بھی مرا چھین لیا
پاپی سنسار نے ساجن بھی مورا چھین لیا
پیا بن تڑپے جیا رتیاں بتاؤں کیسے
برہا کی اگنی کو آنسوں سے بجھاؤں کیسے
جیا مورا مشکل میں پڑ گیو رے .... گجب بھیو راما . . .
ذات کی آس گئی دن کا سہارا بھی گیا
مورا سورج بھی گیا مورا ستارہ بھی گیا
پریت کر کے کبھی پریتم سے نہ بچھڑے کوئی
جیسے اجڑی ہی ہوئی میں ایسے بھی نہ اجڑے کوئی
بنا کھیل مورا بگڑ گیو رے ... گجب بھیو راما . . .
جینے جی چھوڑ دیں کی سیاں نہ ڈگریا توری
بیت جائے گی یونہی عمریا موری
نینوں سے ہوتی رہے گی برسات بلم
یاد میں روتی رہوں گی ترس دن رات بلم
نگر مورے من کا اجڑ گیو رے ... گجب بھیو راما

انصاف کی ڈگر پہ بچو دکھاؤ چل کے
یہ دیش ہے تمہارا نیتا تمہیں ہو کل کے

دنیا کے رنج سہنا اور کچھ نہ منہ سے کہنا
سچائیوں کے بل پہ آگے کو بڑھتے رہنا
رکھ دو گے ایک دن تم سنسار کو بدل کے

اپنے ہوں یا پرائے سب کے لئے ہو نیائے
دیکھو قدم تمہارا ہرگز نہ ڈگمگائے !
رستے بڑے کٹھن ہیں چلنا سنبھل سنبھل کے

انسانیت کے سر پہ عزت کا تاج رکھنا !
تن من کی بھینٹ دے کر بھارت کی لاج رکھنا
جیون نیا ملے گا انتم چتا میں جل کے

⊙

وہ دن کدھر گئے کہو وہ دن کدھر گئے !
آنکھوں نے جب سنائی تھی الفت کی داستاں
دنیا مری جوان تھی آباد تھا جہاں !
اب کیوں جلا کے چھوڑ دیا میرا آشیاں
کیوں زندگی کو لوٹ کے برباد کر گئے ۔ وہ دن کدھر گئے

آیا مری وفا کا نہ تم کو خیال کیوں ! !
تم سے چھپا ہوا ہے مرے دل کا حال کیوں

پوچھے نہ مجھ سے ہائے کہ دل ہے نڈھال کیوں
کیسے زمانے آئے اور آکر گزر گئے۔ وہ دن کدھر گئے
کیوں پیار کر کے بھول گئے پیار کا چلن
کیا ہو گئی وہ شمع سے پروانے کی لگن
ارمان دل میں ہی سب گھٹ کے مر گئے وہ دن کدھر گئے

○

مری زندگی پہ نہ مسکرا مجھے زندگی کا الم نہیں
جسے تیرے غم سے واسطہ وہ خزاں بہار سے کم نہیں
وہی کارواں وہی راستے وہی زندگی وہی مرحلے
مگر اپنے اپنے مقام پر کبھی تم نہیں کبھی ہم نہیں

میں قفس میں قید ہوں باغباں مجھے کیا غرض ہے بہار سے
نہ چمن ہے میرا نہ آشیاں جو خزاں بھی آئے تو غم نہیں

○

اک بے وفا کو دل کا سہارا سمجھ لیا
پتھر کو ہم نے آنکھ کا تارا سمجھ لیا
اک بے وفا کو دل کا سہارا سمجھ لیا
دشمن کو ہم نے جان سے پیارا سمجھ لیا

اپنا ہی تھا قصور جو طوفاں میں گھر گئے
اک موج تھی کہ جس کو کنارا سمجھ لیا
جادو بھری نگاہوں کے دھوکے میں گھر گئے
بھولے سے اپنے دل کو تمہارا سمجھ لیا

○

یہ دنیا ہے یہاں دل کا لگانا کس کو آتا ہے
ہزاروں دل پیار کرتے ہیں نبھانا کس کو آتا ہے
یہ دنیا ہے یہاں دل میں سمانا کس کو آتا ہے
مٹانے والے لاکھوں ہیں بنانا کس کو آتا ہے
نگاہیں پھیر لیں تم نے تو ہم کس کی طرف دیکھیں
تم ہی کہدو محبت کا فسانہ کس کو آتا ہے
وفا کا یوں تو دم بھرتے ہیں اس دنیا میں سب لیکن
وفا کے نام پہ مٹ کر دکھانا کس کو آتا ہے

○

ہم پیار تمہیں سے کرتے ہیں ناداں صنم تم کیا جانو
تم روٹھ گئے دل ٹوٹ گیا پایا ہے جو غم تم کیا جانو
جب تم کو بنایا تھا اپنا کیوں حال نہ دل کا جان سکے

اک پھول چنا اور پھینک دیا خوشبو بھی نہ پہچان سکے
ٹھکرا دیا میری الفت کو اپنا یہ ستم تم کیا جانو
مٹ جائے محبت کی دنیا یہ بات کوئی آسان نہیں
ارمان بھرا یہ دل میرا نازک ہے مگر نادان نہیں
تم پھیر لو ہم سے لاکھ نظر بدلیں گے نہ ہم تم کیا جانو

⊙

یہ چار دن بہار کے ہنسی خوشی گزار کے - بھلا دو زندگی کے غم
نثار تم پہ دل مرا کٹے گی زندگی سوا تمہارے پیار میں صنم
کھلی ہوئی ہے چاندنی چھڑی ہوئی ہے راگنی
نظر میں مستیاں - ادا ادا میں شوخیاں
ہمیں تمہاری جستجو تمہیں ہماری آرزو بڑھے یہ پیار دم بدم
بھلا دو زندگی کے غم

تمہارے دل میں ہم رہیں ہمارے دل میں تم رہو
کسی سے اپنی داستاں نہ ہم کہیں نہ تم کہو!
زمانہ چاہے کچھ کہے جفا کرے ستم کرے جدا نہ ہوں گے تم سے ہم
بھلا دو زندگی کے غم

○

زمانے کے مالک دہائی ہے تیری کہ دنیا نے اپنا علم بیچ ڈالا
دیئے باغباں بن کے بلبل نے دھوکے بہاریں جب آئیں چمن بیچ ڈالا
مٹا کر ہر اک آرزو ہر تمنا زمانے کے بازار میں لائی دنیا
کیے خوب سودے غمِ زندگی کے جنازے خریدے کفن بیچ ڈالا
قفس کے اسیروں کو دل مجبور کر کے دکھاتے ہیں صیاد کیا کیا تماشے
کسی مست غنچے کی خوشبو چرا لی کسی گل کا نازک بدن بیچ ڈالا

تقدیر کی گردش کیا کم تھی اس پر یہ قیامت کر بیٹھے
بیتابیٔ دل جب حد سے بڑھی گھبرا کے محبت کر بیٹھے

آنکھوں میں چھلکتے ہیں آنسو دل چپکے چپکے روتا ہے
وہ بات ہمارے بس کی نہ تھی جس بات کی ہمت کر بیٹھے
غم ہم نے خوشی سے مول لیا اس بات پہ بھی ہوئی یہ نادانی
جب دل کی امیدیں ٹوٹ گئیں قسمت سے شکایت کر بیٹھے

ہائے ہم سے یہ نادانی تیری محفل میں آ بیٹھے
زمیں کی خاک ہو کر آسماں سے دل لگا بیٹھے

ہوا خون تمنا اس کا شکوہ کیا کریں تم سے
نہ کچھ سوچا نہ کچھ سمجھا جگر پر تیر کھا بیٹھے

خبر کیا تھی گلستان محبت میں بھی خطرے ہیں
جہاں گرتی ہے بجلی ہم اسی ڈالی پہ جا بیٹھے

نہ کیوں انجام الفت دیکھ کر آنسو نکل آئیں
جہاں کو لوٹنے والے خود اپنا گھر لٹا بیٹھے

⊙

آسماں والے تری دنیا سے جی گھبرا گیا   جل گیا دل سوز غم سے جب کوئی یاد آگیا
آگ میں پھولوں کی دنیا نے مراتن رکھ دیا
ایک مردے کو سجا کر نام دلہن رکھ دیا
ہول مالک یہ تماشہ تجھ سے کیوں دیکھا گیا - آسمان والے
کس قدر ناشاد ہوں برباد ہوں ویران ہوں
رحم کر مجھ پر خدایا میں بھی اک انسان ہوں
موت ہی دیدے کہ اب شکوہ زباں پہ آگیا - آسمان والے
آسمان والے تری دنیا سے گھبرا گیا
جل گیا دل سوز غم سے جب کوئی یاد آگیا

○

بھگوان تیری دنیا میں انسان نہیں ہے
مسجد بھی ہے مندر بھی ہے ایمان نہیں ہے

آپس ہی یہاں پھوٹ ہے دل سب کے جدا ہیں
دولت جنہیں مل جائے وہی لوگ خدا ہیں
اتنا بھی نہیں سوچتے ہم کون ہیں کیا ہیں
انسان کو انسان کی پہچان نہیں ہے - بھگوان تیری

تو چاہے تو ہر موج کو طوفان بنا دے
سچا ہے تو بگڑے ہوئے ایمان بنا دے
ان خاک کے پتلوں کو پھر انسان بنا دے
ورنہ میں یہ سمجھوں گی تو بھگوان نہیں ہے - بھگوان تیری

بلبل میں ہیں نغمے ترے گل میں تری بو ہے ہر شے میں ترا نور ہے ہر چیز میں تو ہے
آنکھوں میں ہے تو سانسوں میں تو دل سے ترا جلوہ دور نہیں
بے پردہ میں دیکھوں حسن ترا یہ بات مجھے منظور نہیں
ہر اک ذرے پہ لکھا ہے تری الفت کا افسانہ   وہ دل بیکار ہے یارب نہ ہو جو تیرا دیوانہ
قسم ہے تجھ کو میرے دل کی حالت پوچھ لے مجھے   کرم سے تیرے کچھ مشکل نہیں بگڑی کا بنجارہ
یا بگڑا اپنا دے کام اپنا یا دل سے مٹا دے نام اپنا
سجدے بھی کریں شکوے بھی کریں بندوں کا ترے دستور نہیں

تجلی ہے تری یہ چاند کیا ہے چاندنی کیا ہے اگر نظریں سلامت ہیں تو جلوؤں کی کمی کیا ہے
لبوں پہ نام ہے تیرا دلوں میں یاد ہے تیری محبت کا فسانہ ہے ہماری زندگی کیا ہے
گھٹ گھٹ سدا ہم مرتے ہیں کب تجھ سے شکایت کرتے ہیں
مرضی ہے تری جو چاہے کرے مختار ہے تو مجبور نہیں

○

مستی بھری بہار نے مستانہ کر دیا
صبر و قرار لوٹ کے دیوانہ کر دیا
دنیا جواں ہے میں جوانی کو کیا کہوں
بلبل بھی دل کو تھام کے پھولوں سے کہہ اٹھی
خود شمع بن گئے مجھے پروانہ کر دیا

○

مبارک ہو دولہا دلہن کی یہ شادی
ملے دل سے دل زندگی مسکرا دی
بندھا سر پہ جب چاند تاروں کا سہرا
کوئی جل گیا اور کسی نے دعا دی
خدا اس محبت کو آباد رکھے !
کہ جس نے امیدوں کی دنیا بسا دی

بھرے گود یا رب کھلیں دل کی کلیاں
مرادیں ہوں پوری مٹے نامرادی

قسمت بنانے والے ذرا سامنے تو آ میں تجھکو یہ بتاؤں کہ دنیا تری دنیا ہے کیا
لاکھوں مصیبتیں ہیں غریبوں کی جان پہ
شکوہ نہیں ہے پھر بھی کسی کی زبان پہ
آجا زمیں پہ سو گیا کیوں آسمان پہ
آنکھ سے آ کے دیکھ خود سنتا نہیں صدا۔ قسمت بنانے والے
کیوں دل جلوں کی آہ کا تجھ پر اثر نہیں
کیا تیرے پاس دیکھنے والی نظر نہیں
جلتا ہے گھر مرا تجھے یہ بھی خبر نہیں
یہ حال ہے تو کیوں نہ کہوں تجھ کو بے وفا۔ قسمت بنانے والے
کیوں دنیا ہم غریبوں کی برباد غم سے کیا
تو ہے خفا تو روٹھا ہمارا دل بھی ہم سے ہے
بھگوان تیرا نام ہمارے ہی دم سے ہے
ہم مٹ گئے تو نام بھی مٹ جائے گا ترا۔ قسمت بنانے والے

بربادی دل کو کیا روئیں آنسو بھی نہیں رونے کیلئے
ہم ان سے جدا وہ ہم سے جدا پایا تھا انہیں کھونے کیلئے

دن ختم ہوا اب رات آئی ارمانوں کو بھی نیند آنے لگی
قسمت سے یہ کہہ دو سو جائے جاگی تھی اگر سونے کیلئے

انجام یہ ہوگا الفت کا پہلے سے ہمیں معلوم نہ تھا
ہم دل ہی نہ دیتے کاش انہیں یوں دل پہ ستم ہونے کیلئے

مرے گھونگر والے بال ہو راجہ گھونگر والے بال
دل میں امنگیں آنکھ میں جادو سر پہ سنہرا جال !
ہو راجہ ہو رے راجہ۔ پردیس پیا پردیس
دل والے اس جال میں پھنس کر کبھی نکل نہ پائیں
ٹھنڈی آہیں بھریں بیچارے پھڑک پھڑک مر جائیں
کہیں نہ دل کا حال۔ ہو راجہ۔ دل میں امنگیں
دیکھ مرے متوالے نینا دنیا پہ بار رے تارے
چلوں میں جس دم پتلی کمریا لچک لچک بل کھائے
مری ٹھمک ٹھمک چال ہو راجہ۔ دل کی امنگیں

زندگی دینے والے سن تیری دنیا سے جی بھر گیا میں یہاں جیتے جی مر گیا
رات کٹتی نہیں دن گذرتا نہیں
زخم ایسا دیا ہے کہ بھرتا نہیں
آنکھ ویران ہے دل پریشان ہے غم کا سامان ہے جیسے جادو کوئی چل گیا
بے خطا تو نے مجھ سے خوشی چھین لی
زندہ رکھا مگر زندگی چھین لی !
کر دیا دل کا خون چپ کہاں تک رہوں صاف کیوں نہ کہوں تو خوشی سے مر گیا

○

چودھویں کا چاند ہو یا آفتاب ہو
جو بھی ہو تم خدا کی قسم لاجواب ہو
زلفیں ہیں جیسے کاندھوں پہ بادل جھکے ہوئے
آنکھیں ہیں جیسے مے کے پیالے بھرے ہوئے
مستی ہے جس میں پیار کی تم وہ شراب ہو
چہرہ ہے جیسے جھیل میں ہنستا ہوا کنول
یا زندگی کے ساز پہ چھیڑی ہوئی غزل
جان بہار تم کسی شاعر کا خواب ہو
ہونٹوں پہ کھیلتی ہیں تبسم کی بجلیاں !!
سجدے تمہاری راہ میں کرتی ہے کہکشاں
دنیائے حسن و عشق کا تم ہی شباب ہو

بدلے بدلے مرے سرکار نظر آتے ہیں !
گھر کی بربادی کے آثار نظر آتے ہیں !

ڈوبے رہتے تھے مرے پیار میں جو شام و سحر
میرے چہرے سے نہ ہٹتی تھی کبھی جن کی نظر
میری صورت سے وہ بیزار نظر آتے ہیں

وہ جو بدلے تو زمانے کی فضا بھی بدلی
دل کی خوشیاں بھی گئیں گھر کی فضا بھی بدلی
سونے سونے در و دیوار نظر آتے ہیں

میرے مالک نے محبت کا چمن چھوڑ دیا
کر کے برباد میرے دل کا چمن چھوڑ دیا
پھول بھی اب تو مجھے خار نظر آتے ہیں

بالم سے ملن ہوگا سرمانے کے دن آئے
ماریں گے نظریاں مرجانے کے دن آئے

بابل کا مورے آنگن بسرا چھوٹیں گے موری سکھیاں
نیر بہا میں گھونگٹ میں موری لاج کی ماری انکھیاں
چھپ چھپ کے وہ دن گنتیاں یاد آنے کے دن آئے

پی سنگ مورے نینن ملیں گے دھڑکن موری چھتیاں
من ہی من میں ڈولوں گی میں تو پریت کی سن سن بتیاں
تھامیں گے سجن بیاں بل کھانے کے دن آئے

○

کبھی رازِ محبت چھپ نہیں سکتا چھپانے سے — یہ وہ طوفان ہے جو اور ابھر آتا دبانے سے
مرے سرکار جب انجمن کو لیکر آتے ہو دل میں — وہ انجمن جان لی ہم نے تمہارے سر جھکانے سے
دل کی کہانی رنگ لائی ہے — اللہ دہائی ہے دہائی ہے
سانسیں ہیں ہلکی ہلکی آنکھیں ہیں جھکی جھکی — آج تو جان پر بن آئی ہے
کسی کو بھی محبت کے نہ پھندے میں تم ڈالے — یہ جب چاہے بنا ڈالے یہ جب چاہے مٹا ڈالے
کوئی اسکا بھروسہ ہے نہ کچھ اس کا ٹھکانہ ہے — کسی کو زندگی دیدے کسی کا گھر جلا ڈالے
واللہ یہ بڑی ہرجائی ہے — اللہ دہائی ہے دہائی ہے
ہمیشہ زندگی سے کھیلتے ہیں عشق کے مارے — یہ اپنی اپنی قسمت ہے کوئی جیتے کوئی ہارے
ارے تو یہ دستورِ محبت بھی قیامت ہے — رہو خاموش تو دل کو جلائیں غم کے انگارے
آہیں بھرو تو رسوائی ہے — اللہ دہائی ہے دہائی ہے

○

زندگی کی حسین راہوں میں قافلے دل کے لٹ بھی جاتے ہیں
پیار کا جام لینے والے سن جام ہاتھوں سے چھٹ بھی جاتے ہیں

ہیں خاک میں محبت جلا دل کا آشیانہ
جو بھی آج تک حقیقت وہی بن گئی فسانہ
یہ بہار کیسی آئی جو خزاں بھی ساتھ لائی
میں کہاں رہوں چمن میں میرا لٹ گیا ٹھکانہ
مجھے راستہ دکھا کر مرے کارواں کو لوٹا
ادھر آ گلے لگا لوں تجھے گردشِ زمانہ

ہائے رے انسان کی مجبوریاں
پاس رہ کر بھی کتنی دوریاں !
کچھ اندھیرے میں نظر آتا نہیں
کوئی تارا راہ دکھلاتا نہیں
جانے امیدوں کی منزل ہے کہاں ... ہائے رے
شمع کے انجام کی کس کو خبر
ختم ہو گی یا جلے گی رات بھر
جانے یہ شعلہ بنے گی یا دھواں ... ہائے رے

موری چھم چھم باجے پائلیا
آج ملے ہیں مورے سانوریا !

بڑی مدت میں دل کے سہارے ملے
آج ڈوبے ہوؤں کو کنارے ملے
کبھی مسکائے من کبھی شرمائے من
کبھی نینوں کی چھلکے گا گریا !
موری چھم چھم باجے

چاند تاروں کے گہنے پہنا دو مجھے
کوئی آ کے دلہنیا بنا دو مجھے
نہیں بس میں جیا کیسا جادو کیے
پیا آج ہوئی رے میں تو باوریا
موری چھم چھم باجے ...

۲ء

صنم و حرم

شکیل بدایونی

نعت

تمنا ہے کہ مرتے وقت بھی ہم مسکراتے ہوں
زبان پر یا محمدؐ ہو جب اس سے جاتے ہوں

بنے اے کاش اس دم سازِ ہستی آخری ہچکی
فرشتے نغمۂ صلِ علیٰ جب گنگناتے ہوں

مزہ جب ہے کہ ہم دیوانہ وار ان کی طرف جائیں
اشاروں سے شہِ ہر دوسرا ہم کو بلاتے ہوں

شبِ فرقت کی ان رنگینیوں پہ جان و دل صدقے
تمہاری یاد ہو دل میں ستارے جھلملاتے ہوں

نہ کیوں اونچا ہو سارے انبیا سے مرتبہ ان کا
سفارش کر کے جو امت کو اپنی بخشواتے ہوں

سکوں کی ساعتوں میں کون انکو بھول سکتا ہے
دمِ مشکل جو ہر اک بے نوا کے کام آتے ہوں

بیان ہو گیا تشکیل اس بزمِ دل کی جلوہ سامانی
حبیبِ کبریا جس بزم میں تشریف لاتے ہوں

سلام بحضورِ امام

سلام ان پر شہید کربلا کہتے ہیں سب جنکو
ضیائے قلب و عینِ مصطفےٰ کہتے ہیں سب جنکو

جنہوں نے جان دے کر دیا اسلام کو زندہ
ہے جن کی یاد سے اب تک خدا کا نام تابندہ

وہ جن کے عزمِ مستحکم کا ہے چرچا زمانے میں
وہ جن کا نام ہے روشن خدائی کار خانے میں

وہ جن کے خوف سے کاشانۂ باطل لرزتے تھے
وہ جن کے دبدبے سے دشمنوں کے دل لرزتے تھے

وہ جن کی ایک ٹھوکر سے رواں چشمے ہوں کوثر کے
رہے جو تین دن پیاسے مگر سائے میں خنجر کے

انہیں کی ذات والا باعثِ تکمیلِ ایمان ہے
لقب جن کا حسین ابن علی شاہِ شہیداں ہے

نہ کیوں ہر حامیٔ دینِ مبیں بھیجے سلام ان پر
فدا ہیں جان و دل سے جان و دل والے تمام ان پر

یہ وہ تھے جنہوں نے لاج رکھ لی اہلِ ایماں کی

بڑھا دی دہر میں توقیر ہر مرد مسلماں کی
بلا شک عام انسانوں سے اونچا ہے مقام ان کا
زمانے کے لئے درس مکمل ہے پیام ان کا
انہوں نے کر دیا ظاہر حقیقت کس کو کہتے ہیں
شہادت کا ہے کیا مطلب شہادت کسکو کہتے ہیں
کبھی روکے سے طوفان صداقت رک نہیں سکتا
کسی کا سر کسی انسان کے آگے جھک نہیں سکتا

دیباچہ

یہ سکوت اور یہ بے نقش قدم راہگزار
دو طرف حد نظر تک یہ درختوں کی قطار

اب تک اس راہ سے شاید کوئی گزرا ہی نہیں
اور جو گزرا تو فقط قافلہ لیل و نہار

سینۂ راہ پہ یہ گھاس جو اگ آئی ہے
کاش اسے آکے کوئی چھانٹ ہی دیتا اکبار

ورنہ یہ حسن سر راہ کو کر دے گی تباہ
جیسے اس دور میں اک شاعر بے رنگ بہار

اپنے دیوان کی اشاعت ہو جسے مد نظر
اور دیوان بھی ایسا جو مطلق بیکار

ماحصل جس کا ہو تحصیل زر و نام و نمود
جس دن آئے گا تہ پنجہ تنقید نگار

پھر یہ اوراق سر راہ بھی پھٹ جائیں گے
گھاس کے ساتھ یہ دیوان بھی چھٹ جائیگے

لطف بہ دوش مسرت بکنار آیا ہوں
چند لمحے تری محفل میں گذار آیا ہوں

جذب ہے غنچۂ معصوم کی نکہت مجھ میں
گم ہے رنگینیٔ گلزارِ محبت مجھ میں
بن کے شادابیٔ عنوانِ بہار آیا ہوں
چند لمحے .....

مری آنکھوں سے ٹپکتی ہے مسلسل مئے ناب
مری مخمور نگاہوں سے امنڈتی ہے شراب
دل میں لے کر اثرِ کیف و خمار آیا ہوں
چند لمحے تری محفل میں گذار آیا ہوں

میں نے دیکھی ہے جنوں کوششِ رقصِ بسمل
میں نے دیکھے ہیں نگاہوں سے الجھتے ہوئے دل
چاک دل چاک نظر سینہ فگار آیا ہوں
چند لمحے تری محفل میں گذار آیا ہوں

اب کہاں دل کو میرے ضبطِ الم پر قابو
اب کہاں سلسلۂ عشرت و غم پر قابو
کھو کے محفل میں تری صبر و قرار آیا ہوں
چند لمحے تری محفل میں گذار آیا ہوں

وہیں کلیوں کی مسرت وہی غنچوں کی امنگ
وہی مستی وہی عالم وہی خوشبو وہی رنگ
بن کے سرتا بہ قدم فصلِ بہار آیا ہوں

چند لمحے تری محفل میں گذار آیا ہوں
غم کا احساس محبت کا اثر وقت کی چال
ٹوٹتا ہی نہیں یہ سلسلہ خواب و خیال!
سوچتا ہوں میں کبھی رات کی تنہائی میں
جانے کیا بھید ہے اس انجمن آرائی میں
حامل سوز دروں شمع کی فطرت کیوں ہے
پھول کو خندہ معصوم کی جرأت کیوں ہے
کتنی آنکھوں میں مقید ہیں لہو کے دریا
مضطرب کتنی زبانوں پہ ہے احوال جفا
کتنی مایوس نگاہوں میں فسانے ہیں نہاں
کتنے اترے ہوئے چہروں پہ جھولے ہے رسہ
کتنی ناکام دعائیں ہیں اثر سے محروم
کتنی بھیگی ہوئی راتیں ہیں سحر سے محروم
سوچتے سوچتے ہوتی ہے طبیعت جو اداس
کوئی چپکے سے یہ کہتا ہے کہ غم کا احساس
غم کا احساس محبت کا اثر وقت کی چال
ٹوٹتا ہی نہیں یہ سلسلۂ خواب و خیال
چونک پڑتا ہوں جب اس خواب سے حیران ہو کر
ان تصاویر کی تخیل میں کھو جاتا ہوں

اور نقاد یہ سمجھتے ہیں کہ سو جاتا ہوں

آہ! یہ شاعرِ افسردہ و آوارہ مزاج
جس کی آزاد خیالی نہیں پابندِ رواج
جس کے قدموں پہ جھکی جاتی ہے شہرت کی جبیں
جس کی ٹھوکر سے ہیں وابستہ زر و مال و زمیں
مجھکو حیرت ہے ان آنکھوں سے ہیں کیوں اشک رواں
اس کے اشعار میں پوشیدہ ہے کیوں برقِ تپاں

آہ! وہ مضطرب افسردہ و آوارہ مزاج
جس کو حاصل ہے سرورِ ابدی کی معراج
جس کی آواز پہ قرباں ہو امیدِ حیات
جس کا ہر نغمۂ نو حاصلِ تفسیرِ حیات !
اس کے رخ پر بھی ہیں آثار پریشانی کے
جانے اسباب ہیں کیا سوختہ سامانی کے
سوچتے سوچتے پڑ جاتی ہے جب دل پہ نظر
کوئی چپکے سے یہ کہتا ہے محبت کا اثر
غم کا احساس محبت کا اثر وقت کی چال
ٹوٹتا ہی نہیں یہ سلسلۂ خواب و خیال
جب محبت کے کبھی اس راز کو پا لیتا ہوں
جانے کیا سوچ کے اخبار اٹھا لیتا ہوں

پڑھتے پڑھتے کسی طوفان میں بہہ جاتا ہوں
سوچتے سوچتے دل تھام کے رہ جاتا ہوں
آہ دنیا غم و حسرت کے سوا کچھ بھی نہیں
زندگی دام سیاست کے سوا کچھ بھی نہیں
بیکسی یاس الم درد خلش چیخ و پکار
کہیں ہستی سے محبت کہیں ہستی سے فرار
زر کی جھنکار میں مزدور کی آہیں پنہاں
نقرئی طوق میں ناکام نگاہیں پنہاں
زرد چہروں پہ دمکتی ہوئی جذبات کی آگ
خشک ہونٹوں پہ مچلتے ہوئے امید کی آگ
سوچتے سوچتے ہوتی ہے طبیعت جو نڈھال
کان میں چپکے سے کہتا ہے کوئی وقت کی چال
غم کا احساس محبت کا اثر وقت کی چال
ٹوٹتا ہی نہیں یہ سلسلہ خواب و خیال

روزن

بلاؤں نے تجلی خانۂ ہستی کو گھیرا ہے
جہاں کل روشنی تھی اب اندھیرا ہی اندھیرا ہے
نظر آتی نہیں صورت کسی اپنے پرائے کی
صدائیں صرف سنتا ہوں یہ میرا ہے یہ تیرا ہے
چپکتی ہے مرے تلووں سے کیوں بھیگی ہوئی مٹی
لہو ہے یا کسی نے جا بجا پانی بکھیرا ہے
یہ کس کے جسم سے ٹکرا کے ٹھوکر کھا رہا ہوں میں
ارے اس جسم پر تو فاقہ مستی کا بسیرا ہے
صدائیں گھنگھروؤں کی گونج اٹھیں کیوں فضاؤں میں
یقیناً اپنی دولت پہ کسی نے ہاتھ پھیرا ہے
ارے یہ روزن دیوار میں تابندگی کیسی
کوئی ایسی بھی دنیا ہے جہاں اب تک سویرا ہے

دنیا یہی ہے دنیا یہی ہے

چالاک دنیا۔ عیار دنیا۔ بد خلق دنیا۔ بدکار دنیا
خونریز دنیا خونخوار دنیا۔ حرص و ہوس کی دلدادہ دنیا
کچھ کہہ رہی ہے کچھ کر رہی ہے دنیا یہی ہے دنیا یہی ہے

ہر سمت نالے ہر سمت آہیں۔ مغموم ہر دل افسردہ راہیں!
جاں سوز اشارے ظالم نگاہیں ویران کر دیں جس گھر کو چاہیں
افسردگی سی افسردگی ہے دنیا یہی ہے دنیا یہی ہے

چھوڑی پدر سے اپنی کمائی کیا کہے دل میں کیا شے سمائی
بن بیٹھا دشمن بھائی کا بھائی تھوڑی سی دولت جب دیکھ پائی
رسم محبت سوداگری ہے دنیا یہی ہے دنیا یہی ہے

دیکھو وہ مجرم پکڑا گیا ہے زنداں کی سختی اس کی سزا ہے
خلوت میں لیکن عالم جدا ہے منصف کو مجرم کچھ دے رہا ہے
اب جو کچھ بھی ہے خانہ پری ہے دنیا یہی ہے دنیا یہی ہے

وہ دونوں بھائی جینے سے عاری مظلوم بیوہ سرمایہ داری
جن کے سروں پہ ہیں بوجھ بھاری لوٹیں گے گھر کو باآہ وزاری
ماں انکی گھر پہ مردہ پڑی ہے دنیا یہی ہے دنیا یہی ہے

اس جھونپڑی میں معصوم بچے چلاتے ہیں فاقوں کے مارے
لیکن زمیندار ہنستے ہنساتے وہ جا رہے ہیں دامن بچائے
عزت پہ خنداں آسودگی ہے دنیا یہی ہے دنیا یہی ہے

کہ بیٹھے یہ دیکھو نظریں اٹھا کر وہ اک حسینہ خود کو سجا کر
غمزوں کی ماری غیرت مٹا کر دولت کی خاطر عصمت گنوا کر
کس درجہ شاداں بیٹھی ہوئی ہے دنیا یہی ہے .....

ہاں ہاں وہ دیکھو دونوں پڑوسی اک دوسرے کے دشمن ہیں جانی
اس گھر میں ماتم اس گھر میں شادی آتش ہیں ارزاں کلفت ہے سستی
عقل و خرد کیا دیوانگی ہے دنیا یہی ہے ....

دیکھو وہ کیا ہے مٹی کا تودا ہم شکل انسان بے ڈول فربہ
مکار فطرت ظالم کمینہ فطرت میں جسکی ہے خون پینا
دولت پہ ناگن بیٹھی ہوئی ہے دنیا یہی ہے دنیا یہی ہے

دیکھو وہ لیڈر جلسے میں آئے جنتا نے انکے نعرے لگائے
مشتاق جلوہ اپنے پرائے کس کی مصیبت کیا ہائے ہائے
فکر و عمل سے شہرت بھلی ہے دنیا یہی ہے دنیا یہی ہے

دیکھو وہ ابھرا شاعر ہمارا فکر و نظر کا ہے کہ سہارا
اہل حسد کو کیوں ہو گوارا وہ کس لئے وہ تیر مارا
فطرت میں داخل تنہا روی ہے دنیا یہی ہے دنیا یہی ہے

محفل کو واعظ تڑپا رہے ہیں سب کو نصیحت فرما رہے ہیں

جو کی حقیقت سمجھا رہے ہیں "مالوں" کی عظمت بتلا رہے ہیں

آج انکے گھر پہ مرغی کٹی ہے دنیا یہی ہے دنیا یہی ہے

ہشیار بیدار اے فاقہ مستو۔ وقت آگیا ہے جرأت دکھاؤ

یہ یاد کر دو کمزوریوں کو دنیا کہاں ہے یہ مجھ سے پوچھو

اہلِ دول کے" دل میں چھپی ہے دنیا یہی ہے دنیا یہی ہے

بے خودی

فضا میں خلفشار ہے زمانہ بے قرار ہے

نہ موسم بہار ہے نہ وقت سازگار ہے

نہ عیش کا مگار ہے نہ غم پہ اختیار ہے

سکون ذلیل و خوار ہے جنوں ہے انتشار ہے

مگر نہیں مگر نہیں مجھے تو کچھ خبر نہیں

مرا یہاں گزر نہیں نظر میری نظر نہیں

اسیر بے خودی ہوں میں

رہین زندگی ہوں میں

مجھے کسی کا ڈر نہیں میں اپنی دھن میں مست ہوں ۔

یہ کون ہے چھپا ہوا مرے دل خراب میں!
یہ کس کی آرزو ہے گم جہانِ اضطراب میں
یہ کس کا غم ہے رقص کُن مسرتوں کے خواب میں
یہ کس کا عکس موجزن ہے ساغرِ شراب میں
سنے کوئی تو کچھ کہوں مثالِ اشکِ غم بہوں
ستم سہوں جفا سہوں خموش کس لئے رہوں
مری خوشی مرا الم
سرودِ شوق کیوں ہو کم
مجھے کسی کا ڈر نہیں میں اپنی دھن میں مست ہوں
ربابِ شوق میں ہے گم شکستِ دل کی ہر صدا
دلیلِ ربط و ضبط ہے خیالِ ترکِ مدعا
دلِ حزیں میں حسرتیں نظر کو تیرا آسرا
مری طرف بھی دیکھ لے کبھی تو میرے ساقیا
اٹھا سبو چمن میں آ۔ گلوں کی انجمن میں آ
جنوں کے پیرہن میں آ۔ بہار کے وطن میں آ
بہار تک جیوں گا میں
پیوں گا میں پیوں گا میں
مجھے کسی کا ڈر نہیں میں اپنی دھن میں مست ہوں
تصورات زندگی نگاہ کے اثر میں ہیں

وہ ابتدا کے مرحلے ابھی مری نظر میں ہیں
مگر یہ اشک آہ اب جو میرے چشمِ تر میں ہیں
نثار ان پہ دولتیں جو دستِ اہلِ زر میں ہیں
انہیں میں کوئی بات ہے یہی حریمِ ذات ہے
جہاں یہ کائنات ہے جدھر مری حیات ہے
میں سر وہیں جھکاؤں گا
وہیں حرم بناؤں گا
مجھے کسی کا ڈر نہیں میں اپنی دھن میں مست ہوں

شبِ مہتاب

شبِ مہتاب و شامِ زندگانی یاد آتی ہے
مجھے پھر آج اک بھولی کہانی یاد آتی ہے
کسی کا وہ مری خلوت میں شرماتے ہوئے آنا
تلاطم خیز رفتارِ جوانی یاد آتی ہے ! !
دلِ بیتاب کا وہ عالمِ وارفتگی توبہ !
نگاہِ شوق کی وہ بے زبانی یاد آتی ہے

لبوں پہ ہائے وہ شکوہ کرم بے لفظ و بے معنی
حواس و ہوش کی وہ سرگرانی یاد آتی ہے

وہ ان کا دفعتاً آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہنا
ہمیں اکثر تمہاری خوش بیانی یاد آتی ہے

وہ انداز غزل گوئی تمہارا ہم نہ بھولیں گے
ابھی تک وہ ادائے شعر خوانی یاد آتی ہے

جواباً وہ مرا ان سے بمشکل عرض کر دینا
ہمیں بھی آپ کی وہ قدردانی یاد آتی ہے

ہوئی تھی جو ہمارے حال پہ اشعار کے بدلے
وہ شفقت وہ کرم وہ مہربانی یاد آتی ہے

یہ سب کچھ ہے مگر او میری دنیا لوٹنے والے
کبھی تجھ کو میرے دل کی کہانی یاد آتی ہے

میرے اشعار کا مطلب کبھی سمجھا ہے کبھی تو نے
مرے جذبات کی بھی ترجمانی یاد آتی ہے

تیری خاطر جلی جاتی ہے جو سوز محبت میں
کبھی تجھکو وہ شمع زندگانی یاد آتی ہے

مجھے تو تیری زلفوں کا مہکنا یاد آتا ہے
تجھے بھی میرے اشکوں کی روانی یاد آتی ہے

سنا جب حال دل چہرے پہ یوں رنگ حجاب آیا

نئے ماحول میں جیسے پرانی یاد آتی ہے
سنبھالا خود کو پہلے پھر کہا شرماتے شرماتے
نہ ہوتی گر خلش کوئی تو ہم خلوت میں کیوں آتے

⊙

اک عشق ہی کیا شعلہ فشاں میری غزل میں
پنہاں ہیں رموزِ دو جہاں میری غزل میں
تعمیر کے پہلو ہیں نہاں میری غزل میں
ملتا نہیں رجعت کا نشاں میری غزل میں
دیکھئے تو کوئی دیدہ ادراک و یقین سے
ہر منظرِ فطرت ہے جواں میری غزل میں
اردو کو جس انداز بیاں کی ہے ضرورت
ملتا ہے وہ اندازِ بیاں میری غزل میں
بچ بچ کے نگاہ و دل اربابِ ہوس سے
پائی ہے محبت نے اماں میری غزل میں
محدود نہیں دائرہ رنگِ تغزل
ہر شعبہ ہستی ہے نہاں میری غزل میں
ہر شعر ہے مجموعہ احساسِ صداقت!
ہر لفظ ہے نشتر کی زباں میری غزل میں

منظوم ہے میرے ہی خیالات کی تاریخ
کیا ذکر حدیث دگراں میری غزل میں

محبوب کی خلوت پہ نظر میرے سخن کی
مظلوم کی آہوں کا دھواں میری غزل میں

مسجد کے مراحل کہیں میخانے کی باتیں
افسانہ ہر پیر و جواں میری غزل میں

کچھ سلسلہ چنگ و دف و بربط و مضراب
کچھ تذکرۂ تیغ و سناں میری غزل میں

بھڑکے گی یوں ہی آتش ماحول کہاں تک
جذبات کے دریا ہیں رواں میری غزل میں

ہے ظلم شکیل اہل سیاست کا یہ ورنہ
گنجائش تنقیص کہاں میری غزل میں

○

وہ یوں کھو کہ مجھے پا پا یا کریں گے
میرا افسانہ دہرایا کریں گے

ستم اپنے جو یاد آیا کریں گے
تو دل ہی دل میں پچھتایا کرینگے

غرور حسن کو باطل سمجھ کر
مرا عشق بن جایا کرینگے

نہ ہو گی تاب ضبطِ غم جب اُن کو!
یقیناً اشک بھر لایا کریں گے
قیامت ہوں گی تازہ دل کی آہیں
ہر اک ذرّے کو تڑپایا کرینگے
فلک ماتم کرے گا بیکسی پر
مہ و انجم ترس کھایا کریں گے
مجھے ہر گام پر ٹھکرانے والے
مجھی پر ناز فرمایا کریں گے
نہ ہو گی جب سکوں کی کوئی صورت
کچھ اپنے دل کو سمجھایا کریں گے
ہر اک تدبیر جب ناکام ہو گی!
تو مجھ کو روبرو پایا کریں گے
نگاہوں سے ملا کر وہ نگاہیں
یکایک رخ بدل جایا کریں گے
وہی ناز و ادا کی شکل ہو گی
اسی صورت سے شرمایا کریں گے
میں کہتا ہی رہوں گا قصۂ غم
وہ سنتے سنتے سو جایا کریں گے
مگر جب ختم ہو گا عالمِ خواب

نہ پا کر تجھ کو گھبرایا کریں گے
شکیلؔ اپنے لمحاتِ فرصت
پیامِ توبہ تو لایا کریں گے

○

مجھے آرزوئے ستم ہی تھی مگر اس نے درسِ وفا دیا
میں نثارِ بخششِ حسن کے مرے ظرف سے بھی سوا دیا

نہیں وہ ایک پرتوِ حسن تھا جسے بے رخی نے چھپا دیا
وہ خود آئینے سے تو کیا ہٹے مجھے سامنے سے ہٹا دیا

تری انجمن کی حدود تک مرا دل تھا غافلِ رنگ و بو
ترے ہجر نے غمِ عشق کو غمِ روزگار بنا دیا!

مجھے سوزِ طور کا غم نہیں مگر اے تجلیٔ برق زا
جو حجابِ روئے جمال تھا وہ نقاب کیوں نہ جلا دیا

یہ گھڑی گھڑی کی شکایتیں یہ جفائے غم کی حکایتیں
دلِ ہوش مند خبر بھی ہے تجھے کس نے درسِ وفا دیا

مرے حالِ زار کو دیکھ کر سب اٹھاتے ہیں مجھ پہ ہی انگلیاں
وہ تو حادثاتِ زمانہ نے مجھے اجنبی سا بنا دیا

میں اسے کسی کی وفا کہوں کہ شکیلؔ عینِ جفا کہوں
اگر ایک بار ہنسا دیا تو ہزار بار رلا دیا !!

بس اک نگاہِ کرم ہے کافی اگر انہیں پیش دلبری نہیں ہے
نہ ہے تمنا کہ میری فطرت اسیرِ حرص و ہوس نہیں ہے

نظر سے صیاد دور ہو جا یہاں تیرا کچھ بھی بس نہیں ہے
چمن کو برباد کرنے والے یہ آشیاں ہے قفس نہیں ہے

کسی کے جلوے تڑپ رہے ہیں حدودِ ہوش و خرد سے آگے
حدودِ ہوش و خرد سے آگے نگاہ کی دسترس نہیں ہے

جہاں کی نیرنگیوں سے یکسر بدل گئی آشیاں کی صورت
قفس سمجھتی ہیں جس کو نظریں وہ درحقیقت قفس نہیں ہے

تصورِ عشرتِ گذشتہ کا حسنِ تاثیر اللہ اللہ! ! !
وہی فضائیں وہی ہوائیں چمن سے کچھ کم قفس نہیں ہے

کسی کی بے اعتنائیوں نے بدل ہی ڈالا نظامِ گلشن
جو بات پہلے بہار میں تھی وہ بات اب کے برس نہیں ہے

یہ بوئے سنبل یہ خندۂ گل اور آہ یہ دکھ بھری صدائیں
قفس کے اندر چمن ہے شاید چمن کے اندر قفس نہیں ہے

نہ ہوشِ خلوت نہ فکرِ محفل عیاں ہوا اب کسی پہ حالِ دل
ہیں آپ ہی اپنا ہم نفس ہوں میرا کوئی ہم نفس نہیں ہے

کریں بھی کیا شکوۂ زمانہ نہیں بھی کیا دردِ کا فسانہ
جہاں میں ہیں لاکھ دشمنِ جاں کوئی مسیحا نفس نہیں ہے

سنتی ہیں اہلِ جنوں نے اکثر خموشیِ مرگ کی صدائیں

سنا یہ تھا کاروانِ ہستی رہینِ بانگِ جرس نہیں ہے
چمن کی آزادیاں ہوں ختم تصورِ آشیاں مقدم
غمِ اسیری ہے ناممکن اگر غمِ خار و خس نہیں ہے
نہ کر مجھے شرمسار ناصح میں دل سے مجبور ہوں کہ جس کا
ہے یوں تو کون و مکاں پہ قابو مگر محبت پہ بس نہیں ہے
کہاں وہ امید آمد آمد کہاں یہ ایفائے عہدِ فردا
جسے اعتبارِ نظر نہ تھا کچھ اب اعتبارِ نفس نہیں ہے
رہے ہیں نغمے وہی ہیں نالے سن اے مجھے بھول جانے والے
تری سماعت سے دور ہیں یہ جبھی تو نالوں میں رس نہیں ہے
تشکیلِ دنیا میں جس کو دیکھا کچھ اس کی دنیا ہی اور دیکھی
ہزار نقادِ زندگی ہیں مگر کوئی نکتہ رس نہیں ہے .

ان کے بغیر ہم جو گلستاں میں آ گئے
محسوس یہ ہوا کہ بیاباں میں آ گئے !
تشہیرِ دل گرفتگیٔ حسن ہو گئی
آنسو چھلک کے چشمِ پشیماں میں آ گئے
ہم ترکِ ربط و ضبطِ محبت کے باوجود
بارہا پہنچ کے کوچۂ جاناں میں آ گئے

پھولوں کو راس آیا نہ جب عرصہ بہار
گلشن سے ہٹ کے گوشہ داماں میں آگئے

ہر چند اہل ہوش تھے ارباب زندگی !
لیکن غریب گردش دوراں میں آگئے

آیا میری زباں پہ یکایک جواں کا نام
کس کس کے ہاتھ میرے گریباں میں آگئے

چھپ کر نگاہ شوق سے دل میں پناہ لی
دل میں نہ چھپ سکے تو رگ جاں میں آگئے

تھے منتشر ازل میں جو ذرات کرۂ دوست
انسان بن کے عالم امکاں میں آگئے

جن کی ادا ادا میں ہیں رعنائیاں شکیل
اشعار بن کے وہ مرے دیوان میں آگئے

تڑکے سحر یادِ گذشتہ جشن بہاراں کیوں نہ کریں
خواب گلستاں دیکھنے والے عزم گلستاں کیوں نہ کریں

رونق بزم اک چیز ہے لیکن اور بھی ساماں کیوں نہ کریں
گھر میں چراغاں کرتے سے حاصل دل میں چراغاں کیوں نہ کریں

مست گھٹائیں جام بہ کف مخمور فضائیں تو یہ شکن

شان کریمی تو ہی بتا پھر جرأت عصیاں کیوں نہ کریں
حسن مجسم عشق و محبت عشق سراپا جذب و کشش
میری پریشانی کے فیصلے انکو پریشاں کیوں نہ کریں
دیدہ رخ جاناں کی تلافی یاد رخ جاناں ہی سہی
شام الم جب رنگ دکھائے شمع فروزاں کیوں نہ کریں
موسم گل ہے گل کا جنوں اور گل کا جنوں ہے اپنا جنوں
موسم گل میں ہنس ہنس کر ہم چاک گریباں کیوں نہ کریں
ان کے بھی آخر سینے میں دل ہے دل میں خلش بھی ٹیس بھی ہے
پھر وہ قید درد محبت پرسش پنہاں کیوں نہ کریں

فروغ حسن کرم کا حاصل غم جفائے تمام کیوں ہے
سحر کی تابانیاں مسلم مگر یہ پہلو میں شام کیوں ہے
فضائے بے کیفی محبت امین کیف دوام کیوں ہے
اگر نہیں دل کو غم سے راحت تو زندگی شاد کام کیوں ہے
اڑاتی واعظ نے چھپ کے پیہم چڑھائی رندوں نے مل کے باہم
یہاں تو یہ سوچتے ہی گزری کہ بادہ نوشی حرام کیوں ہے
نہ ذکر عنواں نہ حرف مطلب ادھر خموشی ادھر تغافل
تو پھر یہ افسانہ محبت زباں زد خاص و عام کیوں ہے

انہیں کو تھی ذکرِ مے سے نفرت یہی تھی زاہد یہی تھے حضرت
ذرا کوئی ان سے یہ تو پوچھے اب ان کے ہاتھوں میں جام کیوں ہے

یوں برق بے اماں کو بچانا ہے ایک دن
خود آشیاں کو آگ لگانا ہے ایک دن

شانِ غرور عجز دکھانا ہے ایک دن
سجدوں سے نقشِ پا کو مٹانا ہے ایک دن

حالِ دلِ تباہ سے غافل نہیں ہوں میں
طوفاں سے ناخدا کو بچانا ہے ایک دن

ظالم میری اداسی رخ پر نہ مسکرا
تجھ کو بھی اس مقام پہ آنا ہے ایک دن

مدہوشیوں سے کھیل رہا ہوں بہ ہر نفس
یہ سوچ کر کہ ہوش میں آنا ہے ایک دن

یہ بزمِ رنگ و بو ہے کہ ان کی حریمِ ناز
سب کچھ یہیں یہ چھوڑ کے جانا ہے ایک دن

نہ فروغِ بام کی جستجو نہ ضیائے در کی تلاش ہے
جو کسی کی راہ میں کھو گئی مجھے اس نظر کی تلاش ہے
تجھے پا سکے کہ نہ پا سکے یہ نظر نظر کی تلاش ہے
کہیں اک لمحے کی جستجو کہیں عمر بھر کی تلاش ہے
غمِ تیرگی سے اجڑ گئیں وہ تصورات کی محفلیں
کبھی شامِ غم ہی عزیز تھی مگر اب سحر کی تلاش ہے
مری زندگی پہ کرم کریں غمِ روزگار کی تلخیاں
میں خراب کردۂ دشت ہوں مجھے اپنے گھر کی تلاش ہے
میں امینِ منزلِ منفرد روشِ عوام سے کیا مجھے
جو لغزش خوردہ پا نہ ہو اسی رہگزر کی تلاش ہے
میں سرورِ عزم سے بے خبر مرے پاؤں شوق کی جرأتیں
ابھی کاروانِ حیات کو کسی راہبر کی تلاش ہے
مجھے ایک لحظہ سکوں نہیں یہ فسادِ ہوش تو دیکھئے
کبھی دردِ دل سے ہوں مطمئن کبھی چارہ گر کی تلاش ہے

○

ان سے امید رہ نمائی ہے
کیا نگاہوں کی موت آئی ہے
حسن مصروف خود نمائی ہے

عشق کا درد ابتدائی ہے
دل نے غم سے شکست کھائی ہے

عمر رفتہ تری دہائی ہے

دل کی بربادیوں پہ نازاں ہوں
فتح پا کر شکست کھائی ہے

میرے سجدوں سے بچ سکا نہ حرم
احتیاطاً جبیں جھکائی ہے

وہ سوادِ سیاہِ دامن کی
ہائے کس وقت نیند آئی ہے

کھل گیا ان کی آرزو میں یہ راز
زیست اپنی نہیں پرائی ہے

شمع و پروانہ ہوں کہ غنچہ و گل
زندگی کس کو راس آئی ہے

گل فسردہ چمن اداس شکیل!
یوں بھی اکثر بہار آئی ہے

○

کبھی تو کام یارب جذبۂ احساس آ جائے
وہ ظالم خود بخود گھبرا کے میرے پاس آ جائے

میسر کاش میری گرمیٔ انفاس آجائے !
زمانے کو ہوائے زندگی راس آجائے

چمن میں یوں تو دھوکا ہیں ہزاروں رنگ کے لیکن
وہی گل ہے کہ جس گل میں تری بو باس آجائے

میں ہر غم سے الجھتا جا رہا ہوں اس توقع پر
کوئی ان میں سے شاید زندگی کو راس آجائے

تری منزل ورائے منزل موہوم ہے اے دل
گزر جانا اگر کوئی مقام یاس آجائے

یقیں کر ناصح مشفق جو میں تیری جگہ ہوتا
تو شاید یہ دعا کرتا محبت راس آجائے

شکیل اپنی محبت ڈھونڈتا ہوں تیرے قدموں میں
تمنا ہے کہ میری چیز میرے پاس آجائے

جو دل پہ گزرتی ہے وہ سمجھا نہیں سکتے
ہم دیکھنے والوں کو نظر آ نہیں سکتے

بے قید رسوم آئی ہیں گلشن میں بہاریں
اب ہاتھ گریباں کی طرف جا نہیں سکتے

رنگینیٔ مستقبل روشن ہے نظر میں

ہم تلخیٔ ماحول سے گھبرا نہیں سکتے
معزز نہ فصلِ خزاں آکے چمن میں
ایسے بھی ہیں کچھ پھول جو مرجھا نہیں سکتے
مانا وہ مجھے اپنی نگاہوں سے گرا دیں
لیکن مرے احساس کو ٹھکرا نہیں سکتے
اربابِ خرد لاکھ سبک گام ہوں لیکن
بے فیضِ جنوں راہِ طلب پا نہیں سکتے
مانا کہ ترے لطف و کرم خواب ہیں لیکن
ہر شخص کو یہ خواب نظر آ نہیں سکتے
تفسیرِ دو عالم ہے شکیل اپنا تغزل
میدانِ غزل چھوڑ کے ہم جا نہیں سکتے

○

ہوئی ایک عمر ترک التجا کو
مگر ہاتھ اب بھی اٹھتے ہیں دعا کو
انہیں ضد ہے مری عرضِ وفا سے
نہ جانے کیا سمجھتے ہیں وفا کو
غرض کی زندگی مطلب کی دنیا
کہاں رکھوں دل بے مدعا کو

محبت کا یہ تلخ انجام توبہ
کرتی آواز دیدے انتظار کو

جو ہیں کھوئے ہوئے بساطِ طرب ہیں
وہ کیا سمجھیں مرے دل کے ولولہ کو

تشکیل اپنی وفا کرتی ہے برباد
سلام آخری اس بے وفا کو

○

عروجِ فطرتِ آدم کو رسوا کر رہا ہوں میں
خدا کو بھول کر انسان کو سجدہ کر رہا ہوں میں

سکون و عیش کے سامان مہیا کر رہا ہوں میں
حیاتِ چند روزہ پر بھروسہ کر رہا ہوں میں

ترے پردے میں خود اپنی تمنا کر رہا ہوں میں
ارے تو یہ محبت کو بھی رسوا کر رہا ہوں میں

غرور و بے نیازی خود نمائی و خود آرائی
جو تجھ میں ہیں وہی انداز پیدا کر رہا ہوں میں

بجا ترکِ وفا کی کوششیں لیکن تعجب ہے
یہ بے جا دشمنیں کیونکر گوارا کر رہا ہوں میں

ہے اک حسنِ عمل پنہاں درونِ پردۂ ہستی

کسے معلوم اس پردے میں کیا کر رہا ہوں میں
نہ ہو یا رب کبھی تکمیل میرے اس ارادے کی
کہ اب ترکِ محبت کا ارادہ کر رہا ہوں میں
سرِ محشر مجھے شکوہ ہے اک جانِ تمنا سے
دلیلیں ہوش میں آئیں کہ دعویٰ کر رہا ہوں میں
نہ ساغر ہے نہ پیمانہ نہ ساقی ہے نہ میخانہ
شکیل اب چند اشکوں پر گزارا کر رہا ہوں میں

○

جو نظر ہے مطمئن ہے جو نفس ہے شادماں ہے
کہ بقیدِ جورِ پیہم کوئی مجھ پہ مہرباں ہے
تری اک نظر کا حاصل عدم و وجودِ جاں ہے
کہیں زندگی کا عالم کہیں مرگِ ناگہاں ہے
ترے حسنِ ضو فگن سے یہ فروغِ گلستاں ہے
نہ ہو جس میں تیرا پرتو وہ بہار بھی خزاں ہے
مری گفتگو نمایاں ہے بغیر گفتگو بھی
میں سناؤں حالِ دل کیا کہ نظر ہی خود زباں ہے
مرے تیرے سوزِ دل کا نہیں بوالہوس تقابل
مری آگ میں شرر ہیں تری آگ میں دھواں ہے

کبھی پاؤں لڑکھڑائے تو کہا یہ مجھ سے دل نے
وہ چمک رہی ہے منزل وہ غبارِ کارواں ہے
جو ہو اذنِ اہلِ گلشن تو میں ہر کلی سے کہہ دوں
ترا مضمحل تبسم مرے ذوق پر گراں ہے
یہی رنگ ہے تو کیونکر ہو رسائی تا بہ منزل
کہیں اہلِ کارواں ہیں کہیں میرا کارواں ہے
رہوں ترکِ معصیت پر میں بتائیں کیسے قائم
ابھی دل میں ولولے ہیں ابھی آرزو جواں ہے

○

آمدِ فصلِ خزاں کا جو نہ امکاں ہوتا
کس قدر حسن پہ مغرور گلستاں ہوتا
ابد آثار جو رنگِ شبِ ہجراں ہوتا
کیوں کوئی صبح کے تاروں سے پشیماں ہوتا
کفر و ایماں کی سیاست سے ہے ناکارہ وجود
آدمی کام کا ہوتا اگر انساں ہوتا
کھل گیا تجزیہ غم سے ہر اک رازِ حیات
زیست مبہم تھی اگر دل نہ پریشاں ہوتا
رعنائے دلِ سوزاں کو دعا دے ظالم

ورنہ کیونکر تری محفل میں چراغاں ہوتا

تو نے سوچا کبھی دامن کو بچانے والے
کچھ سکت ہاتھ میں ہوتی تو یہ داماں ہوتا

عزم انسان ہے کہ بن جائے فرشتہ لیکن
ہر فرشتے کو یہ حسرت ہے کہ انساں ہوتا

میری فطرت کو کہاں تاب جمود ساحل
وہی کشتی وہی دریا وہی طوفاں ہوتا

سرد ہے انجمن شوقیل ان کے بغیر
وہ مرے سامنے آتے میں غزل خواں ہوتا

○

نظروں پہ ستم دل پہ جفا ہو کے رہے گی
ہے جرم محبت تو سزا ہو کے رہے گی !

اس درجہ ہو دل انکی عنایت پہ نہ مغرور
اک دن یہی دو دن کی ہوا ہو کے رہے گی

پہلے سے نہ وہ دل ہیں نہ پہلا سا وہ عالم
اللہ یہ دنیا تری کیا ہو کے رہے گی

اے رہرو میخانہ تو جنت کا نہ کر غم
جنت ترے قدموں پہ فدا ہو کے رہے گی

اب تو غمِ جاناں بھی سکوں بخش نہیں ہے
کیا یہ بھی خلش دل سے جدا ہو کے رہے گی

کیوں خوش نہ ہو دل بزمِ تصور کی بقا پر
دنیا تو نہیں ہے کہ فنا ہو کے رہے گی

احساس میں شامل ہے اگر حسنِ صداقت
آوازِ دل آوازِ خدا ہو کے رہے گی!

اے حسنِ پشیماں مری آہوں سے نہ گھبرا
ہر آہ ترے حق میں دعا ہو کے رہے گی

یہ ہم جو تشکیل ان کی نظر ہے تو بلا سے
دیکھوں وہ کہاں مجھ سے خفا ہو کے رہے گی

○

بہار آئی کسی کا سامنا کرنے کا وقت آیا
سنبھل اے دل کہ اظہارِ وفا کرنیکا وقت آیا

انہیں آمادہ مہر و وفا کرنیکا وقت آیا
بڑی مدت میں عرضِ مدعا کرنے کا وقت آیا

رواں ہیں اپنے مرکز کی طرف آسودہ امیدیں
ہجومِ یاس کو دل سے جدا کرنے کا وقت آیا

پھر اک گم کردہ راہ زندگی کو مل گئی منزل
سجدۂ شکر بے پایاں ادا کرنے کا وقت آیا
کبھی دوری تھی لیکن اب خیالِ خوفِ دوری سے
فغاں کی ساعتیں گزریں دعا کرنے کا وقت آیا
کہاں تک ختم رہتا درمیاں پر دل کا افسانہ
بالآخر درمیاں سے ابتدا کرنے کا وقت آیا
ہر اک جرمِ محبت اس نگاہِ لطف پہ صدقے
نویدِ عافیت ہے کہ خطا کرنے کا وقت آیا
نگاہ و دل سے اب تفسیر و شرحِ آرزو ہو گی
زبان و لب سے ترکِ التجا کرنے کا وقت آیا
وہ آتے ہیں شکیل اب اپنے دل سے ہاتھ دھو بیٹھو
نگاہِ ناز کی قیمت ادا کرنے کا وقت آیا

⊙

اللہ اللہ مقامِ ضبطِ الم
ڈگمگاتے ہیں زندگی کے قدم
سعیٔ تشریحِ آرزو کی قسم
محرمِ آرزو نہ تم ہو نہ ہم
کھو نہ جائے حیاتِ نو کا بھرم

اک بہانہ تھی لغزشِ آدم
ہیں زمانہ میں عام جور و ستم
لیکن اب تک زمیں ہے زیرِ قدم
موجِ انفاسِ زاہدانِ توبہ
بجھ نہ جائے کہیں چراغِ حرم
زندگی ہے ورائی مرگ و حیات
ہیں نہیں قائل وجود و عدم
ہوشیار اے جبینِ سجدہ گزار
مٹ نہ جائے کسی کا نقشِ قدم
اس زمانے میں اور ذکرِ بہار
کس نے دیکھا بہار کا عالم
بھولنے والے یاد ہیں مجھکو
وہ ترے وعدے ہائے مستحکم
سائے کی طرح اب زمانہ شکیلؔ
چل رہا ہے مرے قدم بہ قدم

○

برائے نامِ جہاں دور سے سرور چلیں
شکیلؔ کیوں نہ ہم اس میکدے سے دور چلیں

نہ سمت وادیٔ ایمن نہ سوئے طور چلیں
نگاہ و دل بہ حمایت ترے حضور چلیں
اس انجمن میں رہا کاریاں ہیں شامل عجز
چلو یہاں سے بصد نخوت و غرور چلیں
نسیم صبح میں نکہت نہ پھول خوشبو
یہی چمن ہے تو ایسے چمن سے دور چلیں
جو قدر حسن نہ جانیں مری طرف آئیں
جو راز عشق نہ سمجھیں ترے حضور چلیں
رفیق راہ نہ ہوں رہرواں سست قدم
جو ساتھ نہیں دے سکتے وہ ہم سے دور چلیں
یہ میکدہ ہے یہ مسجد ہے حضرت واعظ
یہ دیکھنا ہے کہ اب کس طرف حضور چلیں
ہمارے سائے پہ بھی رشک تھا شکیب جنہیں
خدا کی شان وہ اب ہم سے دور چلیں

○

نہ ساقی نہ مطرب نہ ساغر نہ مینا
گوارا ہے کیوں بے حیا بن کے جینا
ہر اک قطرہ خنجر ہر اک بوند نشتر

یہ آنسو ہیں یا زندگی کا پسینا!
تلاطم سے ذرا آزما کر تو دیکھوں
بلا سے اگر ڈوب جائے سفینا
شفیق جس کو سمجھے ہوئے ہیں نگاہیں
ہے فطرت کے ہاتھوں میں سرخ آبگینا
چلو ان سے عرضِ وفا کر تو دیکھیں
وہ دادِ محبت نہ دیں گے یہی نا
بدلتا ہے ہر سانس کے ساتھ عالم
زمانہ ہی خود ہے ترقی کا زینا
تشکیلؔ اکثر احباب کا ہے یہ عالم
زباں پہ حدیثِ وفا دل میں کینہ

○

یارب غرورِ حسن کو رسوا نہ کر سکوں
ہو تابِ دید بھی تو نظارہ نہ کر سکوں
اے جبرِ عشق مجھ کو عطا کر وہ اعتماد
ناکامیِ حیات کی پروا نہ کر سکوں
دیکھا ہے میں نے حسن گریزاں کو ملتفت
کیوں امتیازِ شبنم و دریا نہ کر سکوں

درمانِ زندگی تو مرے بس کی بات ہے
وہ دردِ دے کہ جس کا مداوا نہ کر سکوں
حائل حجابِ خلوتِ ہجراں سہی مگر
شاید تیری نگاہ سے پرواز کر سکوں
ناوصفِ اشک وآہ بہ ایں حشرِ اضطراب
ممکن ہے تیرے غم کو میں رسوا نہ کر سکوں
ہو جائیں ترکِ شوق میں آسانیاں اگر
مہلت ہو اس قدر کہ ارادہ تو کر سکوں
راہِ وفا میں ان کا سہارا نہیں قبول
وہ کام کام کیا جسے تنہا نہ کر سکوں
عالم محبتوں کا یہی ہے تو ایک دن
شاید یہ تذکرے بھی گوارا نہ کر سکوں
دل کے توہمات ہیں سیاستہ لئے شکیں
میں اور ان سے عرضِ تمنا نہ کر سکوں

(~)

اثر دکھائے گی سعیٔ گراں کبھی نہ کبھی
بدل ہی جائے گا نظمِ جہاں کبھی نہ کبھی

بہار ہو کے رہے گی عیاں کبھی نہ کبھی
چمن کو چھوڑ ہی دے گی خزاں کبھی نہ کبھی

دل اس سراپا سے رہ سکے گا نہ دور
مکین کو ڈھونڈھ ہی لیگا مکاں کبھی نہ کبھی

شباب فصل بہاراں پہ جھومنے والے
غم بہار بھی ہوگا جواں کبھی نہ کبھی

کہاں تک اے دل مضطر فریب تاب سکوت
الجھ پڑے گی نظر سے زباں کبھی نہ کبھی

فراق و درد و غم سے حذر کہاں تک
وہ چل ہی دیں گے لیے کارواں کبھی نہ کبھی

غرور تیز روی سے نہ مطمئن ہو بشر
رکے گا توسن عمر رواں کبھی نہ کبھی

یقین ہے کہ وہ بیتابیوں سے تنگ آکر
کریں گے پرسش درد نہاں کبھی نہ کبھی

نہ آئے حرف کہیں ترک آرزو پہ نبیل
وہ ہوں گے مصلحتاً مہرباں کبھی نہ کبھی

غمِ عشق رہ گیا ہے غمِ جستجو میں ڈھل کر
وہ نظر سے چھپ گئے ہیں مری زندگی بدل کر

تری گفتگو کو ناصح دلِ غم زدہ سے جل کر
ابھی تک تو سن رہا تھا مگر اب سنبھل کر

نہ ملا سراغِ منزل کہیں عمر بھر کسی کو
نظر آ گئی ہے منزل کہیں دو قدم ہی چل کر

غمِ عمرِ مختصر سے ابھی بے خبر ہیں کلیاں
نہ چمن میں پھینک دینا کسی پھول کو مسل کر

ہیں کسی کے منتظر ہم مگر اے امیدِ مبہم
کہیں وقت رہ نہ جائے یونہی کروٹیں بدل کر

مرے دل کو راس آیا نہ جمودِ غیر فانی
ملی راہ زندگانی مجھے خلد سے نکل کر

مری تیز گامیوں سے نہیں برق کو بھی نسبت
کہیں کھو نہ جائے دنیا مرے ساتھ ساتھ چل کر

کبھی یک بہ یک توجہ کبھی دفعتاً تغافل
مجھے آزما رہا ہے کوئی رخ بدل بدل کر

ہیں شکیلؔ زندگی میں یہ جو وسعتیں نمایاں
انہیں وسعتوں سے پیدا کوئی عالمِ غزل کر

ہر جذبۂ غم کی تلخی میں اک مستی پنہاں دیکھیں گے
جو گردشِ ساغر دیکھ چکے کیا گردشِ دوراں دیکھیں گے

ہر بار ہماری جانب سے تجدیدِ محبت کیا معنی
اک دن تری نیچی نظروں کو خود سلسلہ جنباں دیکھیں گے

سمجھے تھے کہ اے پردہ نشیں ادراک و یقیں کی حد میں نہیں
لیکن یہ خبر کیا تھی کہ تجھے نزدیکِ رگِ جاں دیکھیں گے

اے ہم نفسو مایوس نہ ہو ٹوٹا وہ طلسمِ قیدِ قفس
اک بار ذرا پھر چل کر کہہ دو کہ گلستاں دیکھیں گے

محسوس کچھ ایسا ہوتا ہے دنیا کو سمجھ کر رشکِ ارم
جیسے کوئی مجھ سے کہتا ہو پھر لغزشِ انساں دیکھیں گے

ہے خواہشِ لطفِ بے پایاں لیکن یہ کوئی ان سے کہہ دے
تکمیلِ طلب منظور نہیں ہم وسعتِ ساماں دیکھیں گے

سب رونقِ گلشن خاک ہوئی لیکن نہ گئی پھولوں کی ہنسی
شاید ہے انہیں یہ خوش فہمی پھر فصلِ بہاراں دیکھیں گے

ہے ان کو طلب منظور تو دل ہر جلوہ کا مسکن بن جائے
اس گھر کو وہ اپنا سمجھیں گے گھر میں چراغاں دیکھیں گے

تجدیدِ وفا کے سائے میں نیند آ ہی گئی دیوانوں کو
محسوس کچھ ایسا ہوتا ہے پھر خواب پریشاں دیکھیں گے

آ جائے شکیل اک بار کوئی برہم ہے اگر برہم ہی سہی
ہستی کے شکستہ ساز پہ ہم فطرت کو غزل خواں دیکھیں گے

ممکن نہیں کہ دور ہوں راہِ وفا سے ہم
بہکے بھی گر کبھی تو انہیں کی رضا سے ہم
پھیکا سا ہو چلا ہے کچھ افسانۂ حیات
آؤ کہ اس میں رنگ بھریں ابتدا سے ہم
اللہ رے اپنے شوق کی طوفاں پسندیاں
ساحل پہ آکے روٹھ گئے ناخدا سے ہم
یہ عشق یہ بلندیٔ عرفاں تو دیکھنا!
راہِ حیات پوچھ رہے ہیں قضا سے ہم
بے اختیار مانگ لی تیرے ستم کی خیر
شرمندہ ہو کے رہ گئے دستِ دعا سے ہم
اے خود فریبیٔ دلِ ناتواں تیرے نثار
تشبیہ دے رہے ہیں جفا کو وفا سے ہم
کن منزلوں میں ہے خلشِ انتظارِ دوست
اکثر تو چونک اٹھتے ہیں خود اپنی صدا سے ہم
ان کی ندامتوں نے سہارا دیا شکیلؔ
ڈرتے تھے اپنی جرأتِ بے مدعا سے ہم

○

بے خودی ہے نہ ہوشیاری ہے
بادہ خواری سی بادہ خواری ہے

حسن مصروف پردہ داری ہے
جانے اب کس نظر کی باری ہے
تم نے دیکھی تو ہوگی اے ناصح
وہ محبت جو اختیاری ہے
کم نہیں شورشِ نفس لیکن!
زندگی پر جمود طاری ہے
غمِ الفت تو دل سے ہار چکا
اب غمِ زندگی کی باری ہے
جس چمن میں کبھی نہ آئے بہار
اس چمن کی خزاں بھی پیاری ہے
ہائے وہ بادہ کش کہ جس نے شکیبؔ
زندگی بے پیے گزاری ہے

⊙

مآلِ گردشِ دوراں وہ کیا سمجھے وہ کیا جانے
سنے ہوں عمر بھر جس نے گل و بلبل کے افسانے
دکھائی بندگی عشق کا عالم جو دیوانے!
حرم میں حشر برپا ہو لرز جائیں صنم خانے
مری کوتاہ فہمی میری گمنامی کا باعث تھی

جو دنیا کو پہچانوں تو دنیا مجھ کو پہچانے
رہ عشق و وفا میں ہے طلب کی وہ بھی اک منزل
جہاں سے بے نیازانہ گذر جاتے ہیں دیوانے
ہوا جاتا ہے کم ذوق وفا دور ترقی میں
کہ اب جلتے نہیں بے ہوش ہو جاتے ہیں پروانے
محبت آرزو سی مبلس ذوق محرومی!
متاعِ زندگی میں بس یہی دو چار افسانے

اب تک شکایتیں ہیں دل بدنصیب سے
اک دن کسی کو دیکھ لیا تھا قریب سے
اکثر یہ زعم ترک محبت خدا گواہ!
گذرا چلا گیا ہوں دیار حبیب سے
دست خزاں نے بڑھ کے وہیں اس کو چن دیا
جو پھول گر گیا نگہِ عندلیب سے
اہل سکوں سے کھیل نہ اے موج انبساط
اک دن الجھ کے دیکھ کسی غم نصیب سے
نا اہل ناز کو بھی ملے فرصت نیاز
میں دور ہٹ گیا جو وہ گذرے قریب سے

یہ کس خطا پہ روٹھ گئی چشمِ التفات
یہ کب کا انتقام لیا مجھ غریب سے
ان کے بغیر بھی ہے وہی زندگی کا دور
حالاتِ زندگی ہیں مگر کچھ عجیب سے
سمجھے ہوئے تھے حسنِ ازل جس کو ہم شکیلؔ
اپنا ہی عکسِ رخ نظر آیا قریب سے

○

بے اثر دردِ جام ہے اب تک
زندگی تلخ کام ہے اب تک
نالہ سا ہر پیام ہے اب تک
پستیٔ ذوقِ عوام ہے اب تک
مہرِ تاباں سے کھیلنے والو!
مری دنیا سرِ شام ہے اب تک
پینے والے تو کب کے پی بھی گئے
مرے ہاتھوں میں جام ہے اب تک
محبت بے اثر سہی لیکن
قابلِ احترام ہے اب تک
گفتگو ان سے بارہا ہوئی

آرزوئے کلام ہے اب تک
تلخیٔ غم کی دل کو تاب نہیں
میکش کیوں حرام ہے اب تک
وائے رجعت پسندیٔ رنداں
قید ظرف و مقام سے اب تک

○

شب کی بہار صبح کی ندرت نہ پوچھیے
کتنا حسین ہے خواب محبت نہ پوچھیے
بچھڑے دلوں کی غم رسیدہ مسرت نہ پوچھیے
ظاہر میں خندہ زن ہیں حقیقت نہ پوچھیے
وہ دن گئے کہ تھی مجھے پرسش کی آرزو
محبوب ہو کے اب میری حالت نہ پوچھیے
ہاتھوں سے دل کے چھوٹ گیا دامن امید
کیا مل گیا جواب شکایت نہ پوچھیے
یوں دیکھتے ہیں جیسے ادھر دیکھتے نہیں
اس لطف بے طلب کی نزاکت نہ پوچھیے

○

گلشن ہو پھر نصرت دورِ خزاں سے دور
یہ مرحلہ نہیں مرے عزمِ جواں سے دور
ہو کیوں حدیثِ دردِ محبت زباں سے دور
رہتا ہے رازِ دل بھی کہیں رازداں سے دور
جائے کوئی کہاں درِ میخانہ چھوڑ کر
خلدِ بریں سے جنت اربابِ جاں سے دور
تفریقِ رہروانِ محبت تو دیکھئے
کچھ کارواں کے ساتھ ہیں کچھ کارواں سے دور
ذوقِ جفا کو نخوتِ حسن قبول ہے
شاید کہ اب زمیں نہ رہی آسماں سے دور
اے دل خیالِ ترکِ تمنا بجا سہی
لیکن یہاں کی بات نہ جائے یہاں سے دور
مجبوری مسرتِ بے کیف کی قسم
فصلِ بہار رہ نہ سکے گی خزاں سے دور
فانی کے شعرِ حسن کے تشکیل زمیں ہیں
ذوقِ سخن ہے جرأتِ عرض بیاں سے دور

ہوں دل میں عشرتِ غمِ جاناں لئے ہوئے
صحرا نے رنگ دے دیئے گلستاں لئے ہوئے

ذوقِ گناہ و عزمِ پشیماں لئے ہوئے
کیا کیا سفر ہیں حضرتِ انساں لئے ہوئے

کفر و خسرو کو راس نہ آئے گی زندگی
جب تک جنوں ہے مشعلِ ایماں لئے ہوئے

یوں ان کے سامنے مگماں پہ نظر نہیں
سعیِ طلب ہے عزمِ گریباں لئے ہوئے

دل کو سکون پستیِ ساحل سے کیا غرض
ہر عزم ہے بلندیِ طوفاں لئے ہوئے

گلشن کے دل میں آج بھی محفوظ ہیں وہ پھول
مرجھا گئے جو داغِ بہاراں لئے ہوئے

آ ہی گئے وہ عرضِ ندامت کو اے شکیل
لعلیں لبوں پہ خندۂ گریاں لئے ہوئے

○

لطفِ نگاہِ ناز کی تہمت اٹھائے کون
کچھ دیر کی بہار کو خاطر میں لائے کون

دل چیز کیا ہے دل سے محبت جتائے کون
اپنا جو خود نہ ہو اسے اپنا بنائے کون
تیرے حضور تجھ سے خفا ہو کے جائے کون
زخمِ دلِ تباہ پہ نشتر لگائے کون
مانا کہ حریمِ ناز کے پردوں میں ہے کوئی
لیکن حریمِ ناز کے پردے اٹھائے کون
ہاں ہاں مجھے تمہارے تغافل کا غم نہیں
اس دورِ خودروی میں کسے آزمائے کون
پڑ جائے لاکھ وقت مگر یہ نہیں قبول
میں دیکھتا رہوں کہ مرے کام آئے کون
کیسی بہار کس کے ستارے کہاں کے پھول
جب تم نہیں تو دیدہ و دل میں سمائے کون
ذوقِ عمل نہ ذوقِ جنوں ہر طرف سکون
جنت اگر یہی ہے تو جنت میں جائے کون
محفل میں کوئی سوختہ جاں ہی نہیں شکیل
سوز و گدازِ شمع پہ آنسو بہائے کون

○

ذوقِ لطیف و چشمِ حقیقت نگہ کہاں
حسنِ ازل تو عام ہے حسنِ نظر کہاں

تیرے حضور وسعتِ قلب و نظر کہاں
جو تجھ میں کھو گیا اسے اپنی خبر کہاں

غم روحِ زندگی ہے تو غم سے مفر کہاں
جائے گا زندگی سے کوئی روٹھ کر کہاں

بے مصلحت گزار نہ عالم شباب کا
اے وقت ناشناس یہ دن عمر بھر کہاں

جلتے سما ہی جائیں گے آئے تو کوئے دوست
دامن سے بچ کے جائے گی گردِ سفر کہاں

زاہد کی برہمی کا اثر لیں نہ بادہ خوار
جذبات مشتعل ہوں تو فکر و نظر کہاں

ہر چند آندھیوں کی ہیں گلشن میں یورشیں
لیکن ابھی شکستِ نسیمِ سحر کہاں

مانا کہ حسن آہ سے ہوتا ہے بیقرار
لیکن کسی آہ میں اتنا اثر کہاں

اک روز میں ڈھونڈھ ہی لوں گا جہاں نو
دنیا مجھے تلاش کرے گی مگر کہاں

ہر لحظہ نا تمام ہے روداد غم شکیل
اہل نظر کو فرصت نقد و نظر کہاں

فطرت کے حسیں نظاروں میں پُر کیف خزانے اور بھی ہیں
میخانہ اگر ویراں ہے تو کیا رندوں کے ٹھکانے اور بھی ہیں

آغازِ جفا کی تلخی سے گھبرا نہ دلِ آزاد طلب ——!
یہ وقت یہیں پر ختم نہیں کچھ تلخ زمانے اور بھی ہیں

لمحاتِ حسیں پر پرسشِ غم محدود نہیں ناشکرِ کرم
بے لفظ سہی بے نام سہی ہونٹوں کے فسانے اور بھی ہیں

جینا ہے تجھے پینے کے لئے اے دوست کسی عنوان سے پی
جینے کا بہانہ ایک سہی پینے کے بہانے اور بھی ہیں

غنچوں کے چٹکنے پر ہی نہ ہوں مصروفِ توجہ اہلِ چمن
کچھ نیم شگفتہ ہونٹوں پر خاموش ترانے اور بھی ہیں

یہ جلوہ گہِ فطرت ہی نہیں اربابِ جہاں کا عکسِ حسیں
اس جلوہ گہِ فطرت کے سوا کچھ آئینہ خانے اور بھی ہیں

یہ عجلتِ بے جا خوب نہیں کہئے تو سہی سنئے تو سہی
کچھ دل کی کہانی اور بھی ہے کچھ غم کے فسانے اور بھی ہیں

ہر تیرِ نظر کی جنبش میں پایا ہوں تشکیلِ اندازِ جنوں !
معدوم ہے اب تک جن کا نشاں کچھ ایسے نشانے اور بھی ہیں

نہ کھوا سے رہبرِ منزل وقارِ فیضِ عام اپنا
جنہیں کچھ فکر ہو گی ڈھونڈھ ہی لیں گے مقام اپنا

بہار میکدہ اپنی سر گلشن تمام اپنا
مگر کچھ اس طرح جیسے نہ پھول اپنے نہ جام اپنا
نمود صبح قدرت کی حقیقت پوچھنے والو
الم سے تنگ آکر رخ بدل لیتی ہے شام اپنا
زبان کو اذن گویائی نہ کچھ دل کی پذیرائی
یہی آداب محفل ہیں تو محفل کو سلام اپنا
خرابات جہاں ہیں تہمت بیگانگی کب تک
ارے او ذہن خوابیدہ مٹا جاتا ہے نام اپنا
اسیران قفس سے بے رخی تکذیب ایمان ہے
کوئی ارباب گلشن تک یہ پہنچا دے پیام اپنا
شکیل اس دور کے مغرب زدہ نوکا نہ ہے بعد و
زمانے کو پلٹ دے گا یہی رنگ کلام اپنا

○

نگاہوں کو کہاں تاب حضوری
قرین مصلحت ہے ان سے دوری
نہ چھیڑو اے وفا ذکر تغافل
کہانی پھر نہ رہ جائے ادھوری
مقامات جنوں سے بے خبر ہے

ارے تو بہ خرد کی بے شعوری
بقدرِ اعتبارِ دیدۂ دل
ترے جلووں سے قربت ہے نہ دوری
محبت ساتھ دیتی ہے نفس کا
مگر جب تک تمنا ہو نہ پوری
وہاں قیدِ سکوت و شرطِ آداب
یہاں ہونٹوں پہ احوالِ ضروری
تسکین آ ہی گئی وہ دل گرفتہ
مجھے راس آئی دل کی ناصبوری

(۷۰)

آنکھوں سے دور صبح کے تارے چلے گئے
نیند آ گئی تو غم کے نظارے چلے گئے
دل تھا کسی کی یاد میں مصروف اور ہم
شیشے میں زندگی کو اتارے چلے گئے
اللہ ری بے خودی کہ ہم ان کے ہی روبرو
بے اختیار انہیں کو پکارے چلے گئے
مشکل تھا کچھ تو عشق کی بازی کا جیتنا!
کچھ جیتنے کے خوف سے ہارے چلے گئے

ناکامیِ حیات کا کرتے بھی کیا گلہ!!
دو دن گزارنا تھے گزارے چلے گئے
ترغیبِ ترکِ شوق کے پردے میں غمگسار
ہر نقشِ آرزو کو ابھارے چلے گئے
پہنچائی کس نے دعوتِ مے اہلِ زہد تک
شاید تری نظر کے اشارے چلے گئے
وہ دل حریفِ جلوۂ فردوس بن گیا!
جس دل میں تیرے غم کے شرارے چلے گئے
ان کے بغیر زیست بہرحال زیست تھی
جیسی گزر رہی تھی گزارے چلے گئے
جلوے کہاں جو ذوقِ تماشہ نہیں رہا
نظریں چلی گئیں تو نظارے چلے گئے

○

ایک ایک قدم فریبِ تمنا سے بچ کے چل
دنیا کی آرزو ہے تو دنیا سے بچ کے چل
خود ڈھونڈ لے گا تجھ کو ترا منفرد مقام
راہِ طلب میں نقشِ کفِ پا سے بچ کے چل
باقی نہیں ہے راہ سکوں خوف یاس میں

گلشن کی جستجو ہے تو صحرا سے بچ کے چل
منہ جادہ وفا سے نہ موڑ اے وفا شعار
لیکن حدودِ چشمِ تماشا سے بچ کے چل
کتنی حسیں ہیں ان کے ستم کی نزاکتیں
تشکرِ کرم کی زحمت بیجا سے بچ کے چل
لمحے اداس اداس فضا میں گھٹی گھٹی
دنیا اگر یہی ہے تو دنیا سے بچ کے چل
اپنے ادب پہ ناز ہے تجھ کو اگر شکیل
مغرب زدہ ادیب کی دنیا سے بچ کے چل

⊙

وقتِ سحر خوشی کا مزہ غم میں آگیا
ہر پھول ہنس کے دامنِ شبنم میں آگیا
لے فصلِ گل ہی بار تھی ناصح کی گفتگو
ظالم کہاں بہار کے موسم میں آگیا
اسے زندگی کتابِ ازل کا ورق الٹ
انسان فریبِ لغزشِ آدم میں آگیا
اب شغلِ مے ہے تیری طبیعت پہ منحصر
واعظ یہی بہت ہے کہ تو ہم میں آگیا

مرہونِ دستِ ناز نہیں جامِ آرزو
یہ جام خود ہی گردشِ پیہم میں آ گیا
جب دل کو مل سکی نہ غمِ دہر سے نجات
گھبرا کے حسن و عشق کے عالم میں آ گیا
کچھ شاد تھے وہ اپنے غرورِ جفا پہ آج
کچھ لطف میرے شکوۂ پیہم میں آ گیا
مجھ کو ترے غم سے ملی ہے تلاشِ سکونِ دل
لیکن سکونِ دل بھی ترے غم میں آ گیا
ہٹ کر کسی کی بارگہِ ناز سے شکیل
محسوس یہ ہوا کہ جہنم میں آ گیا

○

لبِ خزاں نہ سہی غیرتِ بہار کرے
کوئی تو شکوۂ آلامِ روزگار کرے
غمِ حیات سے دل کو ابھی نجات نہیں
نگاہِ ناز سے کہہ دو کہ انتظار کرے
کہاں مسرتِ باطل کہاں حقیقتِ غم
خزاں کا ذکر نہ آوارہ بہار کرے
میں اس کے ہوشِ جنوں پہ بہ جان و دل صدقے

ہنسی ہنسی میں جو دامن کو تار تار کرے
بدل ہی جاتے ہیں ماحول زندگی اکثر
مقدر اس کا خدا جس کو سازگار کرے
شریکِ سازشِ حرماں خزاں سہی لیکن
اگر یہ جرمِ خزاں کی جگہ بہار کرے
غمِ خزاں ہی سے فرصت نہیں یہاں تو شکیلؔ
جسے سکون ہو وہ نظارۂ بہار کرے

○

کیوں غمِ عشرت میں دل کو صرفِ ماتم کیجیے
غم ہی قسمت ہے تو شکوہ عشرتِ غم کیجیے
یا مرے ذوقِ وفا کو دیجیے اذنِ شکست
یا غرورِ بے نیازی اور محکم کیجیے
ہو چلا ہے زندگی کو شادکامی پہ غرور
اب توجہ کی نظر پہلے سے کچھ کم کیجیے
ہے اگر منظور تکمیلِ تقاضائے جنوں
چاک نظروں سے گریبانِ دو عالم کیجیے
کم سے کم اتنے تو آنسو ہوں کہ ہستی ڈوب جائے
"گریہ" لازم ہے تو کیوں تقلیدِ شبنم کیجیے

ہجر کی تنہائیوں میں کیسی شب کس کی سحر
زندگی کو بے نیازِ ہر دو عالم کیجیے
شکوہ ہائے جور پہ بولے وہ شرما کر شکیلؔ
اپنے افسانے کے اس ٹکڑے کو مبہم کیجیے

○

بیکسی سے مرنے والے کا بھرم رہ جائے گا
وہ ضرور آئیں گے جب آنکھوں میں دم رہ جائیگا
کیا خوشی میں زندگی کا ہوش کم رہ جائے گا
غم اگر مٹ بھی گیا احساس غم رہ جائے گا
ہائے وہ اک عالم بیتابی پنہاں کہ جب
فاصلہ منزل سے اپنا دو قدم رہ جائیگا
چھیڑ دی میں نے اگر روداد حسن عشق جب
نامکمل قصۂ دیر و حرم رہ جائے گا!

○

گلشن ہو نگاہوں میں تو جنت نہ سمجھنا
دم بھر کی عنایت کو محبت نہ سمجھنا
کیا شے ہے متاعِ غم و راحت نہ سمجھنا

جینا ہے تو جینے کی حقیقت نہ سمجھنا
ہو خیر ترے غم کی کہ ہم نے ترے غم سے
سیکھا ہے مسرت کو مسرت نہ سمجھنا
نسبت ہی نہیں کوئی محبت کو خرد سے
اے دل کبھی مفہوم محبت نہ سمجھنا
یہ کس نے کہا ہے تم سے کہ روداد وفا کو
سنکر بھی سمجھنے کی ضرورت نہ سمجھنا
ویرانی ماحول کو بربادی دل کو!
ہر دور میں آثار محبت نہ سمجھنا!
سر خم ہوا اگر مصلحت وقت کے آگے
اس جبر مسلسل کو عبادت نہ سمجھنا
دیکھے جو تمہیں کوئی محبت کی نظر سے
للہ شکیلؔ اس کو محبت نہ سمجھنا

○

زندگی سے کے ارباب جاں چل دیئے
راہ سونی ہوئی کارواں چل دیئے
بن کے آئے سراپا حقیقت مگر!
دیکھ کر چند خواب گراں چل دیئے

کہنے آئے تھے محفل میں اک داستاں
بن کے عنوانِ سرِ داستاں چل دیئے

بعدِ ترکِ محبت ہم ان کی طرف
جانے والے نہ تھے ناگہاں چل دیئے

کب اٹھایا بارِ ہستی کہ اہلِ جنوں
ناتواں آئے تھے ناتواں چل دیئے

اے شکیل ان کی محفل سے جاتے تو ہو
اف اگر دل نے پوچھا کہاں چل دیئے

○

تری محفل سے اٹھ کر عشق کے ماروں پہ کیا گذری
مخالف اک جہاں تھا جانے بیچاروں پہ کیا گذری

سحر کو رخصتِ بیمارِ فرقت دیکھنے والو
کسی نے یہ بھی دیکھا رات بھر تاروں پہ کیا گذری

سنا ہے زندگی ویرانیوں نے لوٹ لی مل کر
نہ جانے زندگی کے ناز برداروں پہ کیا گذری

ہنسی آئی تو ہے بے کیف سی لیکن خدا جانے
مجھے مسرور پا کر میرے غم خواروں پہ کیا گذری

اسیرِ غم تو جاں دے کر رہائی پا گیا لیکن

کسی کو کیا خبر زنداں کی دیواروں پہ کیا گزری
یہ زاہد ہیں انہیں کیا تجربہ اعجازِ رحمت کا
یہ جنت میں بھی پوچھیں گے گنہگاروں پہ کیا گزری

○

نقش فطرت نے جو ابھارے ہیں
کچھ کنائے ہیں کچھ اشارے ہیں
ہم سے پوچھو بہارِ جلوۂ دوست
ہم نے فرقت کے دن گزارے ہیں
رونقِ چرخ دیکھنے والو!
کچھ زمیں پر بھی چاند تارے ہیں
تم زمانے کے ہو ہمارے سوا
ہم کسی کے نہیں تمہارے ہیں
ہم سے زندہ تھی زندگی کل تک
آج ہم زندگی کے مارے ہیں
جب نظارے نہ تھے نگاہیں تھیں
اب نگاہیں نہیں نظارے ہیں
گو نہیں کوئی ربط و ضبط مگر!
تم ہمارے ہو ہم تمہارے ہیں

دیکھ کر ہاتھ ڈالنا گلچیں!
اب یہ غنچے نہیں شرارے ہیں
جن کو آنسو سمجھ رہے ہو شکیلؔ
دل کے ٹوٹے ہوئے ستارے ہیں

○

خراماں زندگی ہے والہانہ
ذرا آگے سے ہٹ جائے زمانہ
ہزاروں بار ملنے پر بھی اب تک
تعارف ہے کسی سے غائبانہ
چمن پہ بجلیاں منڈلا رہی ہیں!
کہاں لے جاؤں شاخِ آشیانہ
محبت کرنے والے ہیں ہزاروں
ہمیں سے کیوں الجھتا ہے زمانہ
ازل سے لٹ رہی ہے دولتِ غم
مگر خالی نہیں ہوتا خزانہ!
میں خود ہی بجلیاں گرنے سے پہلے
جلا دیتا ہوں اکثر آشیانہ
اجازت ہو تو اے اربابِ محفل

کروں کچھ شکوۂ رنگِ زمانہ
بظاہر لطف بھی مہر و وفا بھی
پسِ پردہ یہ سب کچھ تاجرانہ
تسلسل ان کشمکش کی ساعتوں میں
غزل کیسے کہوں میں عاشقانہ

○

ملا نہ رہروانِ سست گام کو ترا نشاں
نظر نظر میں رہ گئی الجھ کے گردِ کارواں
ترا جمال منکشف سرِ مکان و لامکاں
مری نگاہ مضطرب کبھی یہاں کبھی وہاں
خیال آرزو میں گم نگاہ جستجو میں گم
فریبِ چشم و دل ہیں سب یقین و آگہی کہاں
ہو جس کو تابِ ضبطِ غم وہ دل کہاں سے لاؤں میں
نفس نفس یہ مرحلے قدم قدم یہ امتحاں
یہ عزمِ بال و پر لئے چمن میں پھر رہا ہے کون
نہ خوفِ برق و باد ہے نہ فکرِ سوزِ آشیاں
نوازشوں کی حد ہوئی کرم کی انتہا ہوئی
نہ میں کسی پہ ملتفت نہ کوئی مجھ پہ مہرباں

جنوں پہ ہو کے طعنہ زن خرد نے کچھ کہا مگر
میں اپنی منزل کی سمت چل دیا رواں دواں
ترا جمال دلنشیں چراغ بزم رنگ و بو
مگر یہ کیا ہے مصلحت کہیں عیاں کہیں نہاں
اٹھا قدم قدم اٹھا شکیل دیکھ سامنے
وہ اڑ رہی ہے گردسی وہ جا رہا ہے کارواں

○

راہ خدا میں عالم رندانہ مل گیا
مسجد کو ڈھونڈتے تھے کہ میخانہ مل گیا
آغاز کائنات سے جس کی تلاش تھی
اوراق زندگی میں وہ افسانہ مل گیا
اہل جنوں کو تاب کہاں سوز حسن کی
جلتے ہی شمع خاک میں پروانہ مل گیا
تنہا چمن میں آکے بھٹکتی ہی کیا بہار
اچھا ہوا کہ راہ میں دیوانہ مل گیا
ہم نے خودی سے کام لیا وہ بھی کھچ گئے!
دنیا کو چاہیئے تھا اک افسانہ مل گیا!
دیکھا نگاہ یاس سے جب گلکدے کا رنگ

ہر گل کی آڑ میں کوئی ویرانہ مل گیا

ٹھکرا کے مرگِ شوق کا عالم دلِ حزیں
اربابِ زندگی سے حریفانہ مل گیا

اک اک زباں پہ مری روداد ہے شکیلؔ
اپنوں کے ساتھ کیا کوئی بیگانہ مل گیا!

○

نظر نواز نظاروں میں جی نہیں لگتا !!
وہ کیا گئے کہ بہاروں میں جی نہیں لگتا !

شبِ فراق کو اے چاند آکے چمکا دے
نظر اداس ہے تاروں میں جی نہیں لگتا

غمِ حیات کے مارے تو ہم بھی ہیں لیکن
غمِ حیات کے ماروں میں جی نہیں لگتا

نہ پوچھ مجھ سے ترے غم میں کیا گذرتی ہے
یہی کہوں گا ہزاروں میں جی نہیں لگتا

کچھ اس قدر ہے غمِ زندگی سے دل مایوس
خزاں گئی تو بہاروں میں جی نہیں لگتا

فسانۂ شبِ غم ختم ہونے والا ہے
شکیلؔ چاند ستاروں میں جی نہیں لگتا

اللہ اللہ مآل نظم کہن ! !
زندگی زندگی کی ہے دشمن
ہے خرد آج کل حریفِ جنوں
ہے جنوں ان دنوں تہی دامن
کیا خبر تھی بہار میں اب کے
چاک ہو جائیں گے والوں کے پیراہن
دائی ہے مائیگی فکر و نظر
ہے سخن سے جدا مذاقِ سخن
خونِ انسانیت کے پیاسوں نے
نام صحرا کا رکھ دیا ہے چمن
پھر دلوں میں نئی امنگ اٹھی
ہے کے عزم شکست کوہ و دمن
زندگی کی شکستہ حالی پہ
رو رہی ہے شکیں عظمتِ فن ا

○

ان کی صورت ان کے جلوے ان کی محفل دیکھ کر
رہ گئے ہم حیرت آئینہ دل دیکھ کر
آج ملتے ہی نگاہیں کارواں کے حوصلے بیدار ہیں

کیوں قدم اٹھتے نہیں آثارِ منزل دیکھ کر
دیکھنا چاہو اگر تم اپنی معراجِ ستم
مسکرا دینا مری بربادیِ دل دیکھ کر!
اپنی خودداری پہ ان کو ہائے کتنا ناز تھا
ہوش کھو بیٹھے ہمیں مدمقابل دیکھ کر!
سننے والے سیکڑوں ہیں ہم نوا کوئی نہیں
دوست دل کی بات کہنا رنگِ محفل دیکھ کر
فرق ذرّا ابھر نہ پایا ہم نے دونوں میں شکیلؔ
اک نظر ان پر بھی ڈالی ماہِ کامل دیکھ کر

○

ترے بغیر عجب بزمِ دل کا عالم ہے
چراغ سیکڑوں جلتے ہیں روشنی کم ہے
جو جی رہے ہیں انہیں کے لئے ہر اک غم ہے
رہے نصیب کہ پھولوں کی زندگی کم ہے
قفس سے آئے چمن میں تو بس یہی دیکھا
بہار کہتے ہیں جس کو خزاں کا عالم
خیال ترکِ محبت کی خیر ہو یارب
کچھ آج مست نگاہوں کی بے رخی کم ہے

بناتے ہیں اسی شبنم سے سینکڑوں دریا
نہیں ملال جو دریا حریفِ شبنم ہے
کہا یہ دل نے سنی گفتگو جو ناصح کی!
مبالغہ ہے بہت اس میں واقعہ کم ہے
بہار آتے چمن میں یہ انتظار نہ دیکھ
شکیلؔ اپنے جنوں کی بہار کیا کم ہے

وہ کیفِ حسن و عشق وہ لطفِ غزل گیا
ذوقِ سلیم رو کہ زمانہ بدل گیا
جس بزم میں سنی تھی محبت کی داستاں
اس بزم کا خیال ہی دل سے نکل گیا
میں نے ہی زندگی میں بھرا تھا خوشی کا رنگ
جادو مجھی پہ گردشِ دوراں کا چل گیا!
گزری ہوئی بہار کو اب اور کیا کہوں
اک لمحۂ فریب تھا جو آکے ٹل گیا
اے صبح اپنی شعاعوں کو پھونک ڈالیے
جس دن پہ مجھ کو ناز تھا وہ دن ہی ڈھل گیا

اب امتحانِ تیز خرامی ہے اے ہمسفر
لو کارواں تو حدِ نظر سے نکل گیا

○

جس قدر دل بسملِ نازو ادا بنتا گیا
باعثِ دلچسپیٔ اہلِ وفا بنتا گیا
زندگی ممنونِ احساں ہی رہی اُن کے حضور
لب تک آ آ کر ہر اک نالہ دعا بنتا گیا
ایک مرکز پر رہی قائم یہ بزمِ کائنات
نقشِ ہستی اک مٹا اور دوسرا بنتا گیا
میں نے چھیڑا تھا کبھی سازِ شعورِ زندگی
جب سے ہر نغمہ مرے دل کی صدا بنتا گیا
بے سہارا دیکھ کر کشتی خدا پر چھوڑ دی
اور میں اپنی نظر میں ناخدا بنتا گیا

○

آدمی نہ اتنا بھی دور ہو زمانے سے
صبح کو جدا سمجھے شام کے فسانے سے
دیکھ طفلکِ ناداں قدر کر بزرگوں کی

گتھیاں نہ سلجھیں گی مضحکہ اڑانے سے
زخم سر کے دیوانے زخم دل کا قائل ہو
زندگی سنورتی ہے دل پہ چوٹ کھانے سے
مطرب جنوں ساماں تو نہ چھیڑ یہ نغمہ
دھن خراب ہوتی ہے تیرے گنگنانے سے
گوئیِ سخن سے کچھ کام بن نہیں سکتا
مل ہی جائے گی منزل دو قدم بڑھانے سے

○

متاعِ غمِ عاشقی مانگ لوں گا
تمہیں سے تمہاری خوشی مانگ لوں گا
دمِ نزع بالیں پہ آئے اگر تم
خدا سے نئی زندگی مانگ لوں گا
شبِ غم چھپا ماہِ کامل تو کیا غم
ستاروں سے کچھ روشنی مانگ لوں گا
تمہیں اک نہیں حسن والے ہیں لاکھوں
کسی چاند سے چاندنی مانگ لوں گا
جو انہ خود نہ بدلا نظامِ دو عالم
تری زلف سے یہ بھی مانگ لونگا

○

بدلے بدلے مرے غم خوار نظر آتے ہیں
مرحلے عشق کے دشوار نظر آتے ہیں

کشتیِ غیرت و احساس سلامت یارب
آج طوفان کے آثار نظر آتے ہیں

انقلاب آیا نہ جانے یہ چمن میں کیسا
غنچہ و گل مجھے تلوار نظر آتے ہیں !

جن کی آنکھوں میں چھلکتا تھا کبھی رنگِ خلوص
ان دنوں مائل پندار نظر آتے ہیں

جو سنا کرتے تھے ہنس ہنس کے مرا نغمۂ شوق
اب مری شکل سے بیزار نظر آتے ہیں

ان کے آگے جو جھکی رہتی ہیں نظریں اپنی
اس لئے ہم ہی خطاوار نظر آتے ہیں

دشمنِ خوئے وفا رسمِ محبت کے حریف
وہی کیا اور بھی دو چار نظر آتے ہیں

جنسِ نایاب محبت کی خدا خیر کرے
بوالہوس اس کے خریدار نظر آتے ہیں

وقت پوچھنے والے ہیں بچارے ان کے
کوئی مطلب ہو تو غم خوار نظر آتے ہیں

جائزہ دل کا اگر ہو تو وفا سے خالی

شکل دیکھو تو نمک خوار نظر آتے ہیں
روز روشن میں اگر ان کو دکھاؤ تارے
وہ یہ کہہ دیں گے کہ صبر کار نظر آتے ہیں
ہم نہ بدلے تھے نہ بدلے ہیں نہ بدلیں گے شکیل
ایک ہی رنگ میں ہر بار نظر آتے ہیں

شوخ نظروں میں جو شامل برہمی ہو جائے گی
اور بھی جنسِ محبت قیمتی ہو جائے گی
آنکھوں آنکھوں میں جو صلح باہمی ہو جائے گی
بات بھی رہ جائے گی اور بات ہو جائے گی
دل نظر بن جائے گا غم ہر خوشی ہو جائے گی
آپ کے جاتے ہی دنیا دوسری ہو جائے گی
آئینہ کر دے گی میری خود فراموشی مجھے
بے خودی جب حد سے گذرے گی خودی ہو جائے گی
داغ دل بن جائے گا فرقت میں رشک مہر و ماہ
یوں بھی میرے غم کدے میں روشنی ہو جائے گی

یہ تمام غنچہ و گل میں ہنسوں تو مسکرائیں
کبھی یک بیک جو رو دوں تو ستارے ٹوٹ جائیں
مرے داغ دل کی تابش جو کبھی دیکھ پائیں
وہیں رشک بے اماں سے مہ و مہر ڈوب جائیں
کبھی ذوق جستجو پہ اگر اعتبار کر لوں!
سر راہ منزلیں خود مجھے ڈھونڈنے کو آئیں
کبھی بے قرار ہو کر جو میں ساز عشق چھیڑ دوں
تو یہ مشتری و زہرہ کوئی گیت پھر نہ گائیں
مرا ذوق مے پرستی ہے کچھ اس قدر ملکی
جو میں جام مے اٹھاؤں تو برس پڑیں گھٹائیں
سر میکدہ جو دیکھیں مری میکشی کا منظر
یہاں شیخ سر بسجدہ کرے زہد التجائیں

○

دل غم زدہ پہ جفائیں کہاں تک
یہ دلفریب و دلکش خطائیں کہاں تک
نہ مرنے کی فرصت نہ جینے کا یارا!
ترے غم کی تہمت اٹھائیں کہاں تک
یوں ہی جائزہ دل کا لیتی رہیں گی!

نگاہوں کی رنگیں شعاعیں کہاں تک

نہیں بے خبر میرے نالوں سے کوئی
خدا جانے پہنچیں صدائیں کہاں تک !

یہ دیکھو مری تشنہ کامی کے غم میں
برستی رہیں گی گھٹائیں کہاں تک

عیاں کر کہ خودی کی جھلک بندگی میں
کسی کے حضور التجائیں کہاں تک

اب آ جا کہ نظریں تری جستجو میں !
تخیل کے ہمراہ جائیں کہاں تک

گلستاں میں کلیوں کو مرجھانے دیجئے
مرے حال دل پہ مسکرائیں کہاں تک

ہمیں دیکھنا ہے وہ محفل میں شمعیں
جلائیں کہاں تک بجھائیں کہاں تک

نگاہوں میں آ جاؤ بے پردہ اک دن
فریبِ مہ و مہر کھائیں کہاں تک

انہیں بھی کچھ احساس غم ہو چلا ہے
نہ ہوں گی قبول اب دعائیں کہاں تک

یہ زورِ کلامِ شکیلؔ اللہ اللہ
مخالف بھی زور آزمائیں کہاں تک

قرباں کسی پہ دولت ہستی ہے آج کل
دل چیز کیا ہے جان بھی سستی ہے آج کل

نالوں کے احتجاج سے برہم ہے آسماں
اوجِ فلک سے آگ برستی ہے آج کل

ارض و سمانے مل کے بپا حشر کر دیا!
معدوم فرقِ رفعت و پستی ہے آج کل

آغوشِ زندگی جسے کہیئے وہ کائنات
اسبابِ زندگی کو ترستی ہے آج کل!

خونِ حیات و نشۂ غم بے خودی مرگ
رندوں میں شغلِ بادہ پرستی ہے آج کل

غنچے جھلس کے آگ میں مرجھائے جاتے ہیں
فقرے خزاں بہار پہ کستی ہے آج کل

یارب مزاج و فطرتِ اہلِ جنوں کی خیر
ویرانیوں کی گود میں بستی ہے آج کل

ساقی بھی ہے شراب بھی لیکن نہ جام کیوں
دل بے نیازِ شورشِ مستی ہے آج کل

جس دل میں تھی متاعِ غمِ عاشقی شکیلؔ
اس دل میں آتشِ غم ہستی ہے آج کل

چھٹ کے ہم پھر نہ مل سکیں گے شتاب
ترک الفت نہیں ہے ترکِ شراب

واہے اس وقت دیدہ بیتاب
دیکھ اپنی تجلیو کا جواب !!

حسن و تاثیر عشق ارے توبہ
جیسے مرجھا کے رہ گیا ہو گلاب

○

ان کی نگہ قہر سے مایوس نہ ہو دل
اک دن یہ محبت کی نظر ہو کے رہے گی

تم رازِ محبت کو چھپاتے تو ہو مجھ سے
واللہ کہ دنیا کو خبر ہو کے رہے گی !

پوچھوں میں نہ کیوں انکا پتہ اپنی نظر سے
جس سمت وہ ہوں گے یہ ادھر ہو کے رہے گی

یہ ڈوبتے تارے یہ فسردہ سا رخِ ماہ
آثار بتاتے ہیں سحر ہو کے رہے گی

○

تیرا غم پا کر بلائے عشرتِ فانی گئی
مرحبا ذوقِ سکونِ دل کی پریشانی گئی

زندگی جس سے عبارت تھی وہ طغیانی گئی
سرکشی کیا آیا جنوں کی فتنہ سامانی گئی
آنکھ ملتے ہی کسی سے دفعتاً دل بڑھ گیا
ڈھونڈنے والے سے منزل تک نہ پہچانی گئی
ابر آیا۔ جام آیا۔ پھول برسے لیکن آہ
زاہدانِ تنگ دل کی پاک دامانی گئی

○

دانستہ سامنے سے جو وہ بے خبر گئے
دل پر ہزار طرح کے عالم گذر گئے
خودداری حیات کو بدنام کر گئے
پروانے کیوں نہ جلنے سے پہلے ہی مر گئے
ہم اس لئے مقام فنا سے گذر گئے
وہ یہ کہیں نہ کہدیں کہ مرنے سے ڈر گئے
آوارگان کوئے محبت جدھر گئے
دنیا پکار اٹھی کہ غلط راہ پر گئے!
روداد اہل بزم محبت نہ پوچھیے
ہنستے ہوئے جو آئے تھے باچشم تر گئے
حبیب تجھ کو ارتباط محبت پہ ناز تھا
اے زندگی تباہ زمانے کدھر گئے

ہر نفس ان کا خیال آتا رہا
زندگی پر پھول برساتا رہا
عشق میں ثابت قدم رہ کر بھی میں
ہر قدم پر ٹھوکریں کھاتا رہا
اللہ اللہ ضبطِ غم کی دولتیں
عمر بھر کھوتا رہا پاتا رہا
ان کے ایک عہدِ فریب انجام سے
زندگی بھر دل کو بہلاتا رہا

○

جذبات کی رَو میں بہ گیا ہوں
کہنا جو نہ تھا وہ کہہ گیا ہوں
ہر لمحہ سرِ خوشی میں اکثر
دو اشک بہا کے رہ گیا ہوں
تھا جن پہ گماں ترے ستم کا
کچھ ایسے بھی سہ گیا ہوں
شاید وہ اسے جنوں سمجھ لیں
اک بات پتے کی کہہ گیا ہوں

اب کیا غمِ ساحل و تلاطم
اک موج کے ساتھ بہ گیا ہوں

○

یکساں مری نظروں میں ہے رنگِ سحر و شام
کھیلے نہ مقدر سے مرے گردشِ ایام
پیتا ہوں پلاتا ہوں وہی بادۂ کہنہ ! !
ہر بار ڈھونڈ کے لاتا ہوں نیا جام
ڈرتا ہوں تری برقِ تبسم کی جلو سے
سنتا ہوں یہ عالم بھی ہے منجملۂ اوہام

○

تیری محفل میں باریابی ہے
بس یہی میری کامیابی ہے۔
دل کی تیرنگیاں ارے تو یہ
آج زاہد ہے کل شرابی ہے
ہے تشکیل ایک شاعرِ فطرت !
یہ نہ سمجھو تو انقلابی ہے

○

کیا ہوتا نہ آنکھوں کو غمِ ہستی میں تزیں ہے
اگر پہچان لی ہوتی زمانے کی نظر میں نے

تیرا ہی عکس دیکھا صورتِ شمس و قمر میں نے
تجھی کو روبرو پایا بہ عنوانِ دگر میں نے

شبِ فرقت ربابِ یادِ رفتہ کی صدا سُن کر
یکایک کروٹیں بدلیں ادھر تم نے ادھر میں نے

نہ کعبہ میرا مرکز اور نہ بت خانہ مرا معبد
میں تجھ سے کیا کہوں ناصح جبیں رکھ دی کدھر میں نے

نہ تھے جب تم تو لامحدود تھی تاریکیِ فرقت
تمہارے ساتھ ہی آتے ہوئے دیکھی سحر میں نے

قیامت تک نہ ہوگی ختم میری شرحِ دل ہمدم
اگر کہنے سے تیرے کر بھی دی مختصر میں نے

ہائے اس مجبوریِ ذوقِ نظر کو کیا کروں
وہ مجھے دیکھیں نہ دیکھیں میں انہیں دیکھا کروں

حسن کے حسنِ ندامت کا تقاضا ہے کہ آج
صدقِ دل سے پھر یقینِ وعدۂ فردا کروں

میں نے مانا ضامنِ تسکینِ دل ہے ترکِ شوق

لیکن اپنے واقعات زندگی کیا کروں
زندگی شاید عزائم پروری کا نام ہے
سوچتا ہوں ہر نفس اب کیا کروں یہ کیا کروں

مآل عشق پہلے سے اگر معلوم ہو جائے
جنوں کی لذتوں سے زندگی محروم ہو جائے
بہت دلکش ادائے رقص بسمل ہوتی جاتی ہے
کہیں ایسا نہ ہو ظالم ہی خود مظلوم ہو جائے

شاید حریف آرزوئے دل ہے ان کی یاد
جب وہ نہیں تو پیار کے قابل ہے انکی یاد
رنگینی حیات دو روزہ نہ پوچھئے
اس مختصر سے وقت میں شامل ہے انکی یاد
یوں کر رہا ہوں ان کو بھلانے کی کوشش
جیسے کوئی حجاب مقابل ہے ان کی یاد
ان کے بغیر بھی ہے وہی لطف میکشی
وہ دور ہیں تو ساقی محفل ہے انکی یاد

جلوۂ حسن کرم کا آسرا کرتا ہوں میں
جو خطا ممکن ہے مجھ سے بے خطا کرتا ہوں میں

تب صبح ہی سے کے درد مرحبا کرتا ہوں میں
زندگی کو نیند سے چونکا دیا کرتا ہوں میں

ہائے وہ عالم کہ جب ہر شے سے گھبراتا ہے دل
آپ ہی اپنی نگاہوں سے بچا کرتا ہوں میں

وہ بھی کیا دن تھے کہ تھا پینے پلانے ہی سے کام
ہائے اب چار آنسوؤں پہ اکتفا کرتا ہوں میں

دلربا ہوتے ہیں جن کے آخری لمحاتِ زیست
اکثر ان پھولوں سے دامن بھر لیا کرتا ہوں میں

دیکھنے والے مری خاموش لب کو نہ دیکھ
آنکھوں آنکھوں میں فسانے کہہ دیا کرتا ہوں میں

مظہرِ حسنِ طلب ہوگی نگاہِ بے طلب
مدعا یہ ہے کہ ترکِ مدعا کرتا ہوں میں

صرف اس دھن میں کہ تعمیرِ محبت سہل ہو
جانے کن کن مشکلوں کا سامنا کرتا ہوں میں

دل لرز جاتا ہے سن کر ہر تارے کا تشکیل
تیا نمد سے تنہا بیٹھ کر میں کچھ کہا کرتا ہوں میں

سحر سے خون بدلیاں آسماں پہ ہے ساقی
زمانے پہ مسلط جنگ عالم گیر ہے ساقی

اسیروں نے جو دیکھا تھا کبھی فصل بہاراں میں
مآلِ کشمکش اس خواب کی تعبیر ہے ساقی

بدلتی جا رہی ہے ذہنیت اربابِ دانش کی
ہر اک موجِ نفس چلتی ہوئی شمشیر ہے ساقی

نہ ہو مایوس مستقبل ابھی کھل جائے گا تجھ پہ
زمانے میں ترے رندوں کی کیا توقیر ہے ساقی

قسم اس آتشیں ماحول کی تجھ کو اٹھا ساغر
کہ ہر تخریب کے پردے میں اک تعمیر ہے ساقی

○

دھندلی دھندلی فضا نہ صبح نہ شام
ہائے کم بخت زندگی کا نظام

دیدۂ و دِل ہیں خوگرِ آلام ! !
تیرے قربان ساقیا اک جام

حسن کی چشمِ اولیں کی قسم
عشق نے پا لیا خود اپنا مقام

قفسِ مرگ بے اماں کی قسم
زندگی ہے فریبِ دانہ و دام
آپ نے کس نظر سے دیکھا تھا
دل ابھی تک ہے موردِ الزام

○

۳
ع

رنگینیاں

شکیل بدایونی

یہ زمین آسمان ترے صدقے
میں ہی کیا دو جہاں ترے صدقے

ہر نفس ہر خیال تجھ پہ نثار
ہر نظر ہر زبان ترے صدقے

خلوت حسن شش جہت کی قسم
بزم کون و مکاں ترے صدقے

نقش ہے لوح دل پہ تیرا کلام
رحمت جاوداں ترے صدقے

رنگ دلبری میں الجھ سکا نہ شکیلؔ
جادۂ لامکاں ترے صدقے

○

بیگانہ ہو کے بزم جہاں دیکھتا ہوں میں
دنیائے رنگ و بو کا سماں دیکھتا ہوں میں

روشن ہیں مجھ پہ جیسے کوئی دیدہ ور ہوں
یوں جادہ ہائے کون و مکاں دیکھتا ہوں

میری نظر سے لاکھ زمانے گزر گئے
ہر شعبۂ طلسم جہاں دیکھتا ہوں میں

ارزاں ہے ظلم و جور کی افتاد کی مگر
جنس وفا مہر گراں دیکھتا ہوں میں

اک سمت حسن شادی و ہنگامہ نشاط

اک سمت غبارِ آہ دخاں دیکھتا ہوں میں

شرحِ الم دراز ہے القصہ اے شکیلؔ
اک داغ اپنے دل میں نہاں دیکھتا ہوں میں

○

زبانِ فطرت سے ان دنوں میں نئے نئے راز سن رہا ہوں
مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے خود اپنی آواز سن رہا ہوں

ہر اہلِ دل کی زباں پہ یکساں فسانۂ زندگی نہیں ہے
کسی سے انجام سن رہا ہوں کسی سے آغاز سن رہا ہوں

مجھے تو کوئی ملا نہ ایسا جو مرنے والوں کو زندہ کر دے
میں آج بھی بزمِ زاہداں میں حدیثِ اعجاز سن رہا ہوں

خبر نہیں امن کے اندھیرے میں کون خنجر چلا رہا ہے
کراہتی ڈوبتی سسکتی دلوں کی آواز سن رہا ہوں

سنا ہے اک لشکرِ فسادِ دل مٹانے آیا ہے رسمِ زنداں
قفس کے نزدیک کچھ دنوں سے میں شورِ پرواز سن رہا ہوں

ملے گا نغمہ کوئی تو ایسا کہ ہو گی جس پہ حیات رقصاں
شکیلؔ میں دل کی انجمن میں صدائے ہر ساز سن رہا ہوں

○

لا رہا ہے مے کوئی شیشے میں بھر کر سامنے!
کس قدر پر کیف منظر ہے نظر کے سامنے

میں تو اس عالم کو کیا سے کیا بنا دیتا مگر
کس کی چلتی ہے حیاتِ مختصر کے سامنے

پھر نہ دینا طعنۂ ناکامیِ ذوقِ نظر
حوصلہ ہے کچھ تو آ جاؤ نظر کے سامنے

آہ! یہ رودادِ ہنگامِ طرب اے غمگسار
ذکرِ گلشن جیسے اک بے بال و پر کے سامنے

ہو چکا حبیب خاتمہ ساری امیدوں کا تو پھر
جا رہا ہے ہو بہو کیوں شکیلؔ اس فتنہ گر کے سامنے

○

شکیلؔ دوریِ منزل سے نا امید نہ ہو
اب آ ہی جاتی ہے منزل اب آ ہی جاتی ہے

○

ہزار قیدِ خزاں سے چھٹ کر بہار کا آسرا کریں گے
بہار بھی ہم قفس نژادوں کو گر نہ راس آئی تو کیا کریں گے

اب اور اس کے سوا نہ ہوگی قفس میں تسکینِ دل کی صورت
چمن کی جانب نظر اٹھا کر کبھی کبھی ہنس لیا کریں گے!

یہ کیا خبر تھی کہ شامِ فرقت مرے لئے سازگار ہوگی
وہ ماہِ انجم کی آڑ لیکر مرے فسانے سنا کریں گے!

نگاہ کی بندشیں سلامت جنوں کی پابندیاں مسلّم
کہیں بھرم کھل گیا تو اے دل میں کیا کروں گا وہ کیا کریں گے
دیکھنا ہے کہ بعد ترکِ تعلقات اے شکیل کب تک
نہ کوئی ہم پہ جفا کرے گا نہ ہم کسی سے وفا کریں گے

○

تلخیٔ حالاتِ رفتہ سے جو گھبرانے لگے
میرا دل لے کر وہ اپنے دل کو بہلانے لگے
عشقِ اوّل پر مجھے ایمان لانا ہی پڑا
وہ بھی پختہ کار تھے افسانہ دہرانے لگے
مل گئی آخر ان کو بھی شدتِ غم سے نجات
اور مجھ کو بھی محبت کے مزے آنے لگے
محفلوں پہ رنگ آیا خلوتیں روشن ہوئیں
روز و شب دل کے پیام آنے لگے جانے لگے
رہ سکا قائم نہ دو دن یہ فریبِ دلبری
میری جانانہ التجاؤں کو وہ ٹھکرانے لگے
میرے دل کی ہر گزارش جبر کہہ کر ٹال دی
اختیارِ حسن کی تصویر دکھلانے لگے
جس سے چاہا گفتگو کی جس کو دیکھا ہنس دیئے
میرے آگے وہ کرم دنیا پہ فرمانے لگے
ان کی دنیا میں تو تم ایسے ہزاروں ہیں شکیل
تم ہی پاگل تھے جو ان کو پا کے اترانے لگے

○

عشق کا کوئی خیر خواہ تو ہے
تو نہیں ہے تری نگاہ تو ہے

عرض غم کیوں نہ اس سے کر دیکھوں
اب بھی تھوڑی سی رسم و راہ تو ہے

زندگی اک سیاہ رات سہی
عاشقی اک چراغ راہ تو ہے

روز و شب کی حقیقتیں معلوم
اک تماشائے مہر و ماہ تو ہے

تاب جلوہ نہیں مجھے نہ سہی
لیکن اک جرأت نگاہ تو ہے

مطمئن ہوں ترے تبسم سے
میرے غم کا کوئی گواہ تو ہے

اور اقبال جرم کیا ہو شکیل
تھرتھراتے لبوں پہ آہ تو ہے

○

دل کو بہلانے کی تدبیر تو ہے
تو نہیں ہے تری تصویر تو ہے

ہم سفر چھوڑ گئے مجھ کو تو کیا
ساتھ میرے مری تقدیر تو ہے

قید سے چھوٹ کے بھی کیا پایا
آج بھی پاؤں میں زنجیر تو ہے
کیا مجال انکی نہ دیں خط کا جواب
بات کچھ باعثِ تاخیر تو ہے
پرسشِ حال کو وہ آ ہی گئے
کچھ بھی ہو عشق میں تاثیر تو ہے
غم کی دنیا رہے آباد شکیل
مفلسی میں کوئی جاگیر تو ہے

شکستِ بے خودی کے مستقل سامان تو ہوں گے
نہ کیوں جی بھر کے پی لوں میکدے ویران تو ہوں گے
ہم انکے سامنے آئینہ دل لے کے جاتے ہیں ! !
نتیجہ کچھ سہی لیکن ذرا حیران تو ہوں گے
یہ دنیا جنتِ عشرت ہے منہ بیٹے فرشتوں کی
جہنم چاہیے مجھ کو وہاں انسان تو ہوں گے
ہجومِ غم سے تنگ آ کر کوئی مرتا ہے تو مرنے دو
زمانے پر جنابِ عشق کے احسان تو ہوں گے !
اسی دھن میں گذارے جا رہا ہوں زندگی اپنی
کبھی یہ زندگی کے مرحلے آسان تو ہوں گے
غم و آلام سے کیوں ہو مفر کرتے محبت میں

جہاں آباد ہیں کچھ گھر وہاں جہان تو ہونگے

شکیلؔ انکی کرم فرمائیوں سے دل دھڑکتا ہے
یہ مانا خوب صورت ہیں مگر نادان تو ہونگے

○

ذوقِ گناہ و عزمِ پشیماں لئے ہوئے
کیا کیا ہنر ہیں حضرتِ انساں لئے ہوئے

کفر و خرد کو راس نہ آئے گی زندگی
جب تک ہے جنوں مشعلِ ایماں لئے ہوئے

ہوں ان کے سامنے مگر ان پہ نظر نہیں
سعیِ طلب ہے عزمِ گریزاں لئے ہوئے

دل کو سکونِ لیتی ساحل سے کیا غرض
ہر عزم ہے بلندیِ طوفاں لئے ہوئے

گلشن کے دل میں آج بھی محفوظ ہیں وہ پھول
مرجھا گئے جو داغِ بہاراں لئے ہوئے

آ ہی گئے وہ عرضِ ندامت کو اے شکیلؔ
لعلیں لبوں پہ خندۂ گریاں لئے ہوئے

○

گلشن ہمہ بہار نہ ویرانہ خزاں سے دور
یہ مرحلہ نہیں مرے عزمِ جواں سے دور

ہو کیوں حدیثِ دردِ محبت زباں سے دور
رہتا ہے رازِ دل بھی کہیں رازداں سے دور

جاتے کہاں کوئی درِ مے خانہ چھوڑ کر
شاید یہ کیا ہے جنتِ اربابِ جاں سے دور

تفریقِ رہروانِ محبت تو دیکھیے:
کچھ کارواں کے ساتھ ہیں، کچھ کارواں سے دور

اے دل خیالِ ترکِ تمنا بجا سہی؛
لیکن یہاں کی بات نہ جائے یہاں سے دور

مجبوریِ مسرتِ بے کیف کی قسم
فصلِ بہار رہ نہ سکے گی خزاں سے دور

نازش کے شعرِ حسن کی تشکیل اس زمین میں
ذوقِ سخن ہے جرأتِ عرضِ بیاں سے دور

○

دھندلی دھندلی فضا، نہ صبح نہ شام
ہائے کمبخت زندگی کا نظام

دیدہ و دل ہیں خوگرِ آلام!
تیرے قربان ساقیا! اک جام

حسن کی چشمِ اولیں کی قسم
عشق نے پا لیا خود اپنا مقام

قفسِ مرگِ بے اماں کی قسم
زندگی ہے فریبِ دانہ و دام

آپ نے کس نظر سے دیکھا تھا!
دل ابھی تک ہے موردِ الزام

اس درجہ بدگماں ہیں خلوصِ بشر سے ہم
اپنوں کو دیکھتے ہیں برائی نظر سے ہم

وہ مل گئے تو اپنا ہی دھوکا ہوا ہمیں
آئینہ آج دیکھ کے نکلے تھے گھر سے ہم

غنچوں سے پیار کر کے یہ عزت ملی ہمیں
چومے قدم بہار نے گزرے جدھر سے ہم

واللہ تجھ سے ترکِ تعلق کے بعد بھی
اکثر گزر گئے ہیں تری رہ گزر سے ہم

صدق و صفائے قلب سے محروم ہے حیات
کرتے ہیں بندگی بھی جہنم کے ڈر سے ہم

رہ رہ کے دیکھتے ہیں تمہیں کو خطا معاف
مجبور ہو گئے ہیں مذاقِ نظر سے ہم

عقبیٰ میں بھی ملے گی یہی زندگی شکیلؔ
مر کر بھی چھوٹ نہ پائیں گے اس دردِ سر سے ہم

اے حسن خود میں تیری دہائی
آئینہ اپنا صورت پرائی

بن ٹھن کے آئے وہ انجمن میں
اللہ جانے اب کس کی آئی

ہم سے تو اچھے تارے ہیں اپنے
ہے ان کے در تک جن کی رسائی

سنتے ہیں اکثر وہ دل سے گزرے
ہم نے تو کوئی آہٹ نہ پائی

اللہ رے اپنی شرحِ محبت
دنیا نے سن لی لب تک نہ آئی

ماتم نہ کیجئے شمعِ سحر کا
جس نے جلائی اس نے بجھائی

دن ہیں شکیل اب ترکِ طلب کے
اُن کی نوازش ہے انتہائی

(۵)

تہمت آب و گل اٹھا نہ سکی
زندگی زندگی کو پا نہ سکی

عقل نے بھی جنوں کا روپ بھرا
لیکن اس روپ کو نبھا نہ سکی

رابطہ باہم تو دیکھئے کہ بہار!
اُن سے پہلے چمن میں آ نہ سکی

ہائے وہ بدنصیب پروانے!
شمع جن کو کبھی جلا نہ سکا

روح جب نکہت ہوئی ہم آواز
زندگی سازِ نو پہ گا نہ سکی

کتنی وسعت ہے دو جہاں میں شکیل
میری ہستی مگر سما نہ سکی

غمِ حیات بھی آغوشِ حسنِ یار میں ہے
یہ وہ خزاں ہے جو ڈوبی ہوئی بہار میں ہے

اثر شراب کا عہدِ وفائے یار میں ہے
قدم قدم پہ لغزش سی اعتبار میں ہے

شگفتگیِ دلِ کارداں کو کیا سمجھے!
وہ اک نگاہ جو الجھی ہوئی بہار میں ہے

شکستِ حوصلۂ ضبطِ غم مجھے منظور
چلے بھی آؤ کہ دل کب سے انتظار میں ہے

یہ اضطراب کا عالم یہ شوقِ بے پایاں
شکیلؔ آج بلاشبہ کوئے یار میں ہے

◉

جل کے اپنی آگ میں خود صورتِ پروانہ ہم
بن گئے ہم رشتۂ خاکِ درِ جانانہ ہم

دیکھئے کس راہ لے جائے سکوں کی جستجو
چل تو نکلے ہیں بہ یک انداز بیتابانہ ہم

حالِ دل، احوالِ غم، شرحِ تمنا، عرضِ شوق
بے خودی میں کہہ گئے افسانہ در افسانہ ہم!

فرصتِ یک لمحہ دے دیتی جو فکرِ روزگار
یاد کر لیتے کوئی بھولا ہوا افسانہ ہم

جب جفا و جور بھی جزوِ محبت ہیں شکیلؔ
کس لیے رہتے جفا و جور سے بیگانہ ہم

○

اب وہ خود محوِ علاجِ دردِ پنہاں ہو گئے
اے خوشا قسمت کہ پھر جینے کے ساماں ہو گئے

سوچ تو لیتے کہ آئینے میں کس کا عکس ہے
اک ذرا سی بات پر اس درجہ حیراں ہو گئے

دید کے قابل ہے فیضِ رہ نوردانِ جنوں
خار دامن سے الجھ کر گل بداماں ہو گئے

صدقۂ جاں سوزیِ فرقت کہ مجھ پر بار تھا
میری حالت دیکھ کر تم کیوں پریشاں ہو گئے

حضرتِ واعظ جہاں کی لذتوں سے
یہ فرشتہ خصلتی کیسی جب انساں ہو گئے

عہدِ فردا اک بہانہ ہی سہی لیکن شکیلؔ
اس بہانے سے سکونِ دل کے ساماں ہو گئے

○

مستِ جمالِ یار کو واقفِ حال کر دیا
اے غمِ زیست مرحبا تو نے کمال کر دیا

دامنِ حسنِ یار میں دیکھ کے دولتِ ستم
اہلِ ہوس تو چپ رہے ہم نے سوال کر دیا

میں تو بہ جرأت تمام عشق کا زور دیکھتا
وہ تو غمِ حیات نے مجھ کو نڈھال کر دیا

تحفۂ گل کی آڑ میں سینکڑوں خار بھر دیئے
اس کو بہار کیا کہیں جس نے یہ حال کر دیا

عشرتِ خام کے خلاف کرتے رہے جہاد ہم
بزمِ طرب جہاں سجی ذکرِ ملال کر دیا

تجھ کو نہ کیوں میں ساقیا مفتیٔ میکشاں کہوں
ایک حرام چیز کو تو نے حلال کر دیا

ناظمِ بزمِ زندگی تیرے کرم کا شکریہ
دے کے ہزار درد و غم مجھ کو نہال کر دیا

آہ وہ دورِ عاشقی جس کو نیک نقشِ تشکیل
گردشِ روزگار نے خواب و خیال کر دیا

○

عشق کی چنگاریوں کو پھر ہوا دینے لگے
میرے پاس آ کر وہ دشمن کو دعا دینے لگے

مے کدے کا میکدہ خاموش میرے بغیر
میں ہوا وارد تو پیمانے صدا دینے لگے

ختم کرنا ہی پڑیں گی شامِ غم کی الجھنیں
اب وہ اپنے گیسوؤں کا واسطہ دینے لگے

اعترافِ اوج کا جذبہ نہیں احباب میں
ہر ترقی پر ترقی کی دعا دینے لگے

دوستوں کی کچھ ادائیں ہیں بھی لذت ہائے شکیلؔ
دوست وہ ہے دوست بنکر جو دغا دینے لگے

(۰)

نالہ و آہ پے بہ پے اے دل زار تا بہ کے
جس کا تجھے خیال ہے اسکو تری خبر بھی ہے

(۰)

ناصح کو ذوقِ مشغلہ وعظ و پند ہے
فضلِ خدا سے وہ بھی ترقی پسند ہے

اندر جو جایئے تو وہی جشنِ مے کشی
باہر جو دیکھئے درِ مے خانہ بند ہے

تعمیرِ زندگی ہو کہ تشکیلِ کائنات
ہر حسن، حسنِ یار کا احسان مند ہے

اپنے سوا کسی کو بھی دادِ ہنر نہ دی
انسان ہے جس کا نام بڑا خود پسند ہے

دکھلایئے نہ دور کے پرچم کی رفعتیں
تبلیغ کیجئے کہ محبت بلند ہے

باوصفِ احترامِ غمِ زندگی شکیلؔ
میں کیا کروں مجھے غمِ جاناں پسند ہے

(۰)

نشے باغباں نے چمن بیچ ڈالا
گھٹا دیکھ کر حسنِ ظن بیچ ڈالا

مقدر میں مر کر بھی عریانیاں تھیں
جنازے سے خریدے کفن بیچ ڈالا

جنوں جس کو دنیا سے منوا رہا تھا
خرد نے وہی علم و فن بیچ ڈالا

زمانے سے چھپ کر کئے تن کے سودے
ہوس نے ستایا تو من بیچ ڈالا

درِ خسروی کی غلامی تو لے لی
مگر جذبۂ کوہکن بیچ ڈالا !

○

زمیں پر فصلِ گل آئی فلک پر ماہتاب آیا
سبھی آئے مگر کوئی نہ شایانِ شباب آیا

میرا خط پڑھ کے بولے نامہ بر سے جا خدا حافظ
جواب آیا مری قسمت سے لیکن لاجواب آیا

اُجالے گرمیٔ رفتار کا ہی ساتھ دیتے ہیں
بسیرا تھا جہاں اپنا وہیں تک آفتاب آیا

تسکیں اپنے مذاقِ دید کی تسکیں کیا ہوتی !!
اِدھر نظروں نے ہمت کی اُدھر رخ پر نقاب آیا

○

جگ ہے جیسے مرضِ محبت
رمن ہے جیسے رقصِ غزالاں

جلوہ حسنِ کرم کا آسرا کرتا ہوں میں
جو خطا ممکن ہے مجھ سے بے خطا کرتا ہوں میں

حسبِ صبوحی سے کے دردِ مرحبا کرتا ہوں میں
زندگی کو نیند سے چونکا دیا کرتا ہوں میں

وہ بھی کیا دن تھے کہ تھا پینے پلانے ہی سے کام
ہائے اب چار آنسوؤں پر اکتفا کرتا ہوں میں

دیکھنے والے مری خاموشی لب کو نہ دیکھ
آنکھوں آنکھوں میں فسانہ کہہ دیا کرتا ہوں میں

دل لرز جاتا ہے حسنِ کر سی تارے کا تشکیل
چاند سے تنہائیوں میں کچھ کہا کرتا ہوں میں

○

ناکام عرضِ شوق کی جرأت ہے کیا کروں
دل خود ہی پردہ دارِ محبت کیا کروں

شوقِ طوافِ کوئے محبت ہے کیا کروں
ان گردشوں پہ اور یہ حسرت ہے کیا کروں

دیکھوں انہیں تو تابِ نظارہ نہیں مگر
ان کو نہ دیکھنا بھی قیامت ہے کیا کروں

گو دل شکن ہیں اُن کی تغافل شعاریاں
اس پہ بھی مجھ کو ان سے محبت ہے کیا کروں

جاتا ہوں روز ان کی طرف دل بکف شکیل
کمبخت آج تک وہی عادت ہے کیا کروں

○

چاندنی میں رخِ زیبا نہیں دیکھا جاتا
ماہ و خورشید کو یکجا نہیں دیکھا جاتا

یوں تو ان آنکھوں سے کیا کیا نہیں دیکھا جاتا
ہاں مگر اپنا ہی جلوا نہیں دیکھا جاتا

ضبطِ غم، ہاں وہی تنکوں کا تلاطم اک بار
اب تو سوکھا ہوا دریا نہیں دیکھا جاتا

زندگی آ تجھے قاتل کے حوالے کر دوں
مجھ سے اب خونِ تمنا نہیں دیکھا جاتا

اب تو جھوٹی بھی تسلی بسر و چشم قبول
دل کا رہ رہ کے تڑپنا نہیں دیکھا جاتا

○

پھر چاہتا ہوں اک الم تازہ تر شکیل
پھر دل کو جستجوئے مسرت ہے آج کل

○

جب کبھی ہم ترے کوچے سے گزر جاتے ہیں
لوحِ ادراک پہ کچھ نقش ابھر جاتے ہیں

حسن سے سیکھئے تنظیمِ دو عالم کا سبق
صبح ہوتی ہے تو گیسو بھی سنور جاتے ہیں

ہم نے پایا ہے محبت کا خمارِ ابدی
کیسے ہوتے ہیں وہ نشے جو اتر جاتے ہیں

اتنے خائف ہیں مئے دل سے جنابِ واعظ
نام کوثر بھی جو سنتے ہیں تو ڈر جاتے ہیں

میکدہ بند مقفل ہیں درِ دیر و حرم
دیکھنا ہے شکیلؔ آج کدھر جاتے ہیں

○

نغمۂ عشق سناتا ہوں میں اس شان کے ساتھ
رقص کرتا ہے زمانہ مرے وجدان کے ساتھ

ہے مرا ذوقِ جنوں کفر و خرد کی زد میں ! !
اے خدا اب تو اٹھا لے مجھے ایمان کے ساتھ

دل بنا دوست تو کیا کیا نہ ستم اس نے کئے

ہم بھی دانا تھے نبھاتے رہے نادان کے ساتھ
داغ ماتھے پہ چلے شیخ و برہمن لے کر
آ گئے تھے دیر و حرم تک بڑے ارمان کے ساتھ
غمِ جاناں غمِ ہستی، غمِ حالات شکیلؔ!
کیا کہوں کتنی بلائیں ہیں مری جان کے ساتھ

[illegible] نے کیا ستم کیا ضبط سے کام لے لیا
ترکِ وفا کے بعد بھی میرا سلام لے لیا
رندِ خراب نوش کی بے ادبی تو دیکھئے
نیتِ مے کشی نہ کی ہاتھ میں جام لے لیا
ہائے وہ پیکرِ ہوس آہ وہ خوگرِ قفس
[illegible] آشیاں حلقۂ دام لے لیا
بادہ کشانِ عشق کو کچھ تو پلا پئے سکوں
حسنِ سحر نہ لے سکے جلوۂ شام لے لیا
نامۂ شوق پڑھ کے وہ کھو گئے یک بیک شکیلؔ
منہ سے تو کچھ نہ کہہ سکے دل سے پیام لے لیا

غمِ جہاں کے فسانے تلاش کرتے ہیں
یہ فتنہ گر تو بہانے تلاش کرتے ہیں

ربابِ امن و سکوں کے حسین تاروں میں
شکستہ دل کے ترانے تلاش کرتے ہیں

یہ انتہا ہے جنونِ ہوس پرستی کی
پرانے گھر میں خزانے تلاش کرتے ہیں

نئے نظام کی بنیاد توڑنے کے لئے
وفا شعار بہانے تلاش کرتے ہیں!

ستم نواز دلوں کو جو سازگار نہ ہو
شکیل! ہم وہ زمانے تلاش کرتے ہیں

صہبائے عرض تھی شعلہ فشاں اس درجہ ہر اک پیمانے میں
مے خوار بھی توبہ کر بیٹھے جب کچھ نہ ملا مے خانے میں

جھنکار کے نازک نشتر سے کٹ جائیں گی غم کی زنجیریں
کہہ دو کہ محبت رقص کرے دنیا کے سیاست خانے میں

زندہ ہے جنوں کی گرمی سے انسان کی روحِ آزادی
شعلوں پہ نہ پانی پھر جائے آئی ہے گھٹا ویرانے میں

کچھ کھو بھی گئے کچھ مٹ بھی گئے کچھ لوحِ خرد پہ باقی ہیں
وہ نام جو شامل ہو نہ سکے اے عشق ترے افسانے میں

تابندہ رہے ایمان تکمیل اسی کو ہی عبادت کہتے ہیں
سجدے میں کچھ قید نہیں کعبے میں ہو یا بُت خانے میں

○

دل لذّتِ نگاہِ کرم پا کے رہ گیا
کتنا حسین خواب نظر آ کے رہ گیا
میرے دلِ تباہ کا عالم نہ پوچھیے
ایک پھول تھا جو کھلتے ہی مرجھا کے رہ گیا
بیگانہ وار جب وہ گزرتے چلے گئے
کچھ بے قرار دل مجھے سمجھا کے رہ گیا
اُن کے حضور لب تو مکرر نہ کھُل سکے
روداد غم نگاہ سے دہرا کے رہ گیا
یوں ختم داستانِ محبت ہوئی تکمیلؔ
جیسے کوئی حسین غزل گا کے رہ گیا

○

کبھی کو جب نگاہوں کے مقابل دیکھ لیتا ہوں
تو پہلے سر جھکا کر دل کی حالت دیکھ لیتا ہوں

تلاشِ جستجوئے ذوقِ کامل دیکھ لیتا ہوں
اٹھاتے ہی قلم آثارِ منزل دیکھ لیتا ہوں

میں تجھ سے اور لطفِ خاص کا طالب! معاذ اللہ
ستم گر اس بہانے سے ترا دل دیکھ لیتا ہوں!

جو موجیں خاص کر چشم و چراغِ دامِ طوفاں ہیں
میں ان موجوں کو ہم آغوشِ ساحل دیکھ لیتا ہوں

شکیلؔ احساس ہے مجھ کو ہر اک موزوں طبیعت کا
غزل پڑھنے سے پہلے رنگِ محفل دیکھ لیتا ہوں

ابھی تو گردشِ دورِ حیات باقی ہے
گزار لیجے تھوڑی سی رات باقی ہے
انہیں یہ خوف کہ ہر بات مجھ سے کہہ ڈالی
مجھے یہ وہم، کوئی خاص بات باقی ہے

قیدِ قفس میں مژدۂ فصلِ بہار کیا
اُڑتی ہوئی خبر ہے کریں اعتبار کیا

مایوسِ زندگی، الم روزگار کیا
جینا تو خود ہی موت ہے جینے سے عار کیا

پنہاں ہے قہقہوں میں صدائے شکستِ دل
دنیا اسی کا نام ہے پروردگار کیا

آئینہ جمال ہے دنیائے رنگ و بو
آغوشِ کائنات ہے آغوشِ یار کیا

وعدے اور اعتبار میں ہے ربطِ باہمی
اس ربطِ باہمی کا مگر اعتبار کیا!

زخمِ نگاہِ ناز سلامت رہے شکیل
سو بار مسکرائیں گے ہم ایک بار کیا

○

مجبورہ نوردِ شوق کو دیکھا نہ مڑ کے بھی
یارانِ تیز گام کو بس دور سے سلام

○

کشمکشِ حیات کو جذبِ حیات پا کے ہم
ہر غمِ بے پناہ پر رہ گئے مسکرا کے ہم

جذب اُنہیں میں ہو گئے اُن کے حضور جا کے ہم
اپنی نظر سے کھو گئے اُن سے نظر ملا کے ہم

غم ہی سکوں نواز تھا غم ہی خوشی کا راز تھا
آہ کہ خوش نہ رہ سکے غم سے نجات پا کے ہم

اُس نے مزاجِ یار کو زحمتِ یاد ہی نہ دی
شکر گزار کیوں نہ ہوں نالۂ نارسا کے ہم

تازہ بہ تازہ نو بہ نو اُف وہ فریب کاریاں
بیٹھ سکے نہ مطمئن حسن کو آزما کے ہم

○

رات ہوئی پیمانے چھلکے
خوشیاں اپنی غم دشمن کے
عشق کی صہبا، بادہ کا ساغر
خوب کٹیں گے دن ساون کے

○

تصور میں اُن سے ملاقات کیوں ہو
نظارہ بقیدِ حجابات کیوں ہو
نظر وقفِ شکر و شکایات کیوں ہو

اُنہیں جس سے ضد ہے وہی بات کیوں ہو
مجھے ظلمتِ ہجر پر ہے تعجّب
یہاں دن نہ نکلے وہاں رات کیوں ہو
وہ خود بھی ہیں جرمِ محبت میں شامل
خطاوار تنہا مری ذات کیوں ہو
فریبِ وفا، وعدہ ہائے مسلسل
مجھی پر یہ مشقِ عنایات کیوں ہو

○

داغ ماتھے پہ چلے شیخ و برہمن لیکر!
آ سکے تھے دیر و حرم تک بڑے ارمان کیساتھ
غمِ جاناں، غمِ ہستی، غمِ حالاتِ تشکیل
کیا کہوں کتنی بلائیں ہیں مری جان کیساتھ

○

جُز نغمۂ ربابِ وفا اور کچھ نہیں
ظالم شکستِ دل کی صدا اور کچھ نہیں
لذّت یہی، سرور یہی، زندگی یہی
دل میں ہجومِ غم کے سوا اور کچھ نہیں
پسِ منظرِ چمن کو ذرا غور سے تو دیکھ

جُز رنگ و بو بہار میں کیا اور کچھ نہیں
آئینہ جمالِ حقیقت ہے کائنات
سب کچھ وہی ہیں اُنکے سوا اور کچھ نہیں
اب ہم ہیں اور مے کدہ حسن اے شکیل!
شغل اپنا مے کشی کے سوا اور کچھ نہیں

(۲۳)

زندگی اُن کی چاہ میں گذری
مستقل درد و آہ میں گذری
رحمتوں سے پناہ میں گذری
عمر ساری گناہ میں گذری
ہائے وہ زندگی کی اِک ساعت
جو تری بارگاہ میں گذری
سب کی نظروں میں سر بلند رہے
جب تک ان کی نگاہ میں گذری
میں وہ اِک رہرو محبت ہوں
جس کی منزل بھی راہ میں گذری
اِک خوشی ہم نے دل سے چاہی تھی
وہ غم کی پناہ میں گذری
زندگی اپنی اے شکیل اَب تک

تلخئ رسم و راہ میں گذری

(:)

رنگِ صنم کدہ جو ذرا یاد آ گیا!
ڈھونڈیں وہ بجلیاں کہ خدا یاد آ گیا
ہر چند دل کو ترکِ محبت کا تھا خیال
لیکن کسی کا عہدِ وفا یاد آ گیا
جب سے کسی نے چھین لی رنگینیِ بہار
کیا جانیے بہار میں کیا یاد آ گیا
اللہ رے ستم کہ انہیں مجھ کو دیکھ کر
سب کچھ محبتوں کے سوا یاد آ گیا

(٠)

دل میں کسی خلش کا گذر چاہتا ہوں میں
جیسی بھی بس ایک نظر چاہتا ہوں میں
پیہم غمِ فراق سے گھبرا گیا ہے دل
کچھ امتیازِ شام و سحر چاہتا ہوں میں
محتاجِ راہبر ہوں جہاں خضر تک شکیل
ایسی بھی کوئی راہ گذر چاہتا ہوں میں

○

ہم ان کی انجمن کا سماں بن کے رہ گئے
سر تا قدم نگاہ و زباں بن کے رہ گئے

پلٹے مقدرات کچھ اس طور سے کہ ہم
تصویرِ انقلابِ جہاں بن کے رہ گئے

کیا دل نہ بن سکے گا تری اک نگاہ سے
جب دم زدن میں کون و مکاں بن کے رہ گئے

مظلوم دل کی تلخ نوائی تو دیکھنا !
نغمے جو لب تک آئے فغاں بن کے رہ گئے

اب ہم ہیں اور حقیقتِ آلامِ بے تسلی
لمحے خوشی کے خوابِ گراں بن کے رہ گئے

تیرا ہی عکس دیکھا صورتِ شمس و قمر میں نے
تجھی کو روبرو پایا بہ عنوانِ دگر میں نے

کیا ہوتا نہ آنکھوں کو غمِ ہستی میں تر میں نے
اگر پہچان لی ہوتی زمانے کی نظر میں نے

نہ تھے جب تم لامحدود تھی تاریکیِ فرقت
تمہارے ساتھ ہی آتے ہوئے دیکھی سحر میں نے

قیامت تک نہ ہوگی ختم میری شرحِ دل ہمدم
اگر کہنے سے تیرے کر بھی دی مختصر میں نے

○

تیری محفل میں باریابی ہے　　　بس یہی میری کامیابی ہے
دل کی یہ رنگینیاں ارے توبہ　　　آج زاہد ہے کل شرابی ہے

ہے شکیلؔ ایک شاعرِ فطرت
یہ نہ سمجھو کہ انقلابی ہے

○

ہر نفس اُن کا خیال آتا رہا
زندگی پر پھول برساتا رہا۔
عشق میں ثابت قدم رہ کر بھی میں
ہر قدم پر ٹھوکریں کھاتا رہا
اللہ اللہ ضبطِ غم کی دولتیں
عمر بھر کھوتا رہا پاتا رہا
ان کے اِک عہدِ فریب انجام سے
زندگی بھر دل کو بہلاتا رہا

○

مے کدے کا مے کدہ خاموش تھا میرے بغیر
میں ہوا وارد تو پیمانے صدا دینے لگے

○

تمہید ستم اور ہے تکمیل جفا اور
چکھنے کا مزا اور ہے پینے کا مزا اور

دونوں ہی بنائے جذب و کشش ہیں لیکن
نغموں کی صدا اور ہے نالوں کی صدا اور

اے فطرتِ غم باز لیست ہی کیا کم تھی مصیبت
نازل ہوئی اُس پر یہ محبت کی بلا اور

ٹکرا کے وہیں ٹوٹ گئے شیشہ و ساغر
میخوار دل کے جھرمٹ میں جو ساقی نے کہا اور

وہ خود نظر آتے ہیں جفاؤں پہ پشیماں
کیا چاہیئے اب تم کو شکیل اسکے سوا اور

○

طوفِ حرم نہ دیر کی گہرائیوں میں ہے
جو لطف اُنکے در کی جبیں سائیوں میں ہے

ظاہر یہ کر رہی ہیں شبِ غم کی ننھی نہیں
کوئی چھپا ہوا مری تنہائیوں میں ہے

دنیائے رنگ و بو سے گذر کر پتہ چلا
پوشیدہ کوئی روح کی گہرائیوں میں ہے

پاتا ہوں اُن کو ہر نفسِ اضطراب میں
موجِ سکوں بھی درد کی انگڑائیوں میں ہے

میرا جنونِ شوق ہی کیوں ہو قصور وار
شامل تری نگاہ بھی رسوائیوں میں ہے

اے شمعِ پُرغرور، ذرا غور سے تو دیکھ
یہ کس کی روشنی تری پرچھائیوں میں ہے

اس کے لئے تشکیلِ احزاں کیا بہار کیا
ڈوبا ہوا جو حُسن کی رعنائیوں میں ہے

○

ملا نہ رہروانِ مست گام کو ترا نشاں
نظر نظر میں رہ گئی اُلجھ کے گردِ کارواں

ترا جمال منکشف سرِ مکان و لامکاں
مری نگاہ مضطرب کبھی یہاں کبھی وہاں

خیال آرزو میں گم نگاہ جستجو میں گم
فریبِ چشم و دل ہیں سب یقین و آگہی کہاں

ہو جس کو تابِ ضبطِ غم وہ دل کہاں سے لاؤں میں
نفس نفس پہ مرحلے قدم قدم پہ امتحاں

دنیائے رنگ و بو سے گذر کر پتہ چلا
پوشیدہ کوئی روح کی گہرائیوں میں ہے

پاتا ہوں اُن کو ہر نفسِ اضطراب میں
موجِ سکوں بھی درد کی انگڑائیوں میں ہے

میرا جنونِ شوق ہی کیوں ہو قصور وار
شامل تری نگاہ بھی رسوائیوں میں ہے

اے شمعِ پُرغرور، ذرا غور سے تو دیکھ
یہ کس کی روشنی تری پرچھائیوں میں ہے

اس کے لئے شکیلؔ خزاں کیا بہار کیا
ڈوبا ہوا جو حسن کی رعنائیوں میں ہے

○

ملا نہ رہروانِ مست گام کو ترا نشاں
نظر نظر میں رہ گئی اُلجھ کے گردِ کارواں

ترا جمال منکشف سرِ مکان و لامکاں
مری نگاہ مضطرب کبھی یہاں کبھی وہاں

خیال آرزو میں گم نگاہ جستجو میں گم
فریبِ چشم و دل ہیں سب یقین و آگہی کہاں

ہو جس کو تابِ ضبطِ غم وہ دل کہاں سے لاؤں میں
نفس نفس پہ مرحلے قدم قدم پہ امتحاں

دنیائے رنگ و بو سے گذر کر پتہ چلا
پوشیدہ کوئی روح کی گہرائیوں میں ہے
پاتا ہوں اُن کو ہر نفسِ اضطراب میں
موجِ سکوں بھی درد کی انگڑائیوں میں ہے
میرا جنونِ شوق ہی کیوں ہو قصور وار
شامل تری نگاہ بھی رسوائیوں میں ہے
اے شمعِ پُر غرور، ذرا غور سے تو دیکھ
یہ کس کی روشنی تری پرچھائیوں میں ہے
اس کے لئے شکیلؔ خزاں کیا بہار کیا
ڈوبا ہوا جو حُسن کی رعنائیوں میں ہے

○

ملا نہ رہروانِ مست گام کو ترا نشاں
نظر نظر میں رہ گئی اُلجھ کے گردِ کارواں
ترا جمال منکشف سیر مکان و لامکاں
مری نگاہ مضطرب کبھی یہاں کبھی وہاں
خیال آرزو میں گُم نگاہ جستجو میں گُم
فریبِ چشم و دل ہیں سب یقین و آگہی کہاں
ہو جس کو تابِ ضبطِ غم وہ دل کہاں سے لاؤں میں
نفس نفس پہ مرحلے قدم قدم پہ امتحاں

یہ عزمِ بال و پر لئے چمن میں پھر رہا ہے کون
نہ خوفِ برق و باد ہے نہ فکرِ سوزِ آشیاں

نوازشوں کی حد ہوئی کرم کی انتہا ہوئی
نہ میں کسی پہ ملتفت نہ کوئی مجھ پہ مہرباں
جنوں پہ ہو کے طعنہ زن خرد نے کچھ کہا مگر
میں اپنی منزلوں کی سمت چل دیا رواں دواں
ترا جمال دل نشیں چراغِ بزمِ رنگ و بو
مگر یہ کیا ہے مصلحت کبھی عیاں کبھی نہاں
اٹھا قدم قدم اٹھا شکیل دیکھ سامنے !
وہ اُڑ رہی ہے گرد سی وہ جا رہا ہے کارواں

لبِ خزاں نہ سہی غیرتِ بہار کرے
کوئی تو شکوۂ آلامِ روزگار کرے

غمِ حیات سے دل کو ابھی نجات نہیں
نگاہِ ناز سے کہہ دو کہ انتظار کرے

کہاں مسرتِ باطل کہاں حقیقتِ غم

خزاں کا ذکر نہ آوارۂ بہار کرے

شریکِ سازشِ حرماں خزاں سہی لیکن
اگر یہ جرم خزاں کی جگہ بہار کرے

○

لمحہ لمحہ بار ہے تیرے بغیر
زندگی دُشوار ہے تیرے بغیر
دل کی بیتابی کا عالم کیا کہوں
ہر نفس تلوار ہے تیرے بغیر
آ مسیحا آ کہ اب تیرا شکیل
جان سے بیزار ہے تیرے بغیر

○

جو ہے رائیگاں تری جستجو یہ مری نظر کی خطا نہیں
میں وہ گردِ راہِ مجاز ہوں جسے خود ہی اپنا پتا نہیں
میں قریبِ مرگ سے دور ہوں کہ ترا ابھی ہمہ تن نظر ہوں
مری عمر عمرِ دوام ہے مجھے اعتقادِ فنا نہیں
وہی ایک سجدہ ہے کارگر جو فکرِ دو جہاں سے ماورا
وہ ہزار سجدے فضول ہیں جو رہینِ لغزشِ پا نہیں

میں شکیلؔ دل کا ہوں ترجماں کہ محبتوں کا ہوں راز داں
مجھے فخر ہے مری شاعری مری زندگی سے جدا نہیں

(۹)

اب تک وہی عالم ہے شکیلؔ اپنے جنوں کا
صحرا میں ہوں لیکن گُلِ تر ڈھونڈھ رہا ہوں

وہ تصوّر میں کھونے والے شبِ الم ساز گار سمجھے
نظر کی موہوم تابشوں کو تجلیِ حُسنِ یار سمجھے

یہ محفلِ زاہدانِ خشک کی محفل ہے اے رندو
ذرا اس بزم میں ذکرِ شراب آہستہ آہستہ

مری نظریں مجھی کو رفتہ رفتہ بھولے جاتی ہیں
ہوتے جاتے ہیں جلوے کامیاب آہستہ آہستہ

نہ کہیے ہاں نہ کہیے آپ کو مجھ سے محبت ہے
نگاہیں خود ہی دیدیں گی جواب آہستہ آہستہ

شکیلؔ اس درجہ مایوسی شروعِ عشق میں کیسی
ابھی تو اور ہوتا ہے خراب آہستہ آہستہ

مختصر داستانِ ہستی ہیں
تذکرے غم کے بار بار آئے

○

شکوہ اضطراب کون کرے
اپنی دنیا خراب کون کرے

گن تو لیتے ہیں انگلیوں پہ گناہ
رحمتوں کا حساب کون کرے

عشق کی تلخ کامیوں کے نثار
زندگی کامیاب کون کرے

ہم سے مے کش جو توبہ کر بیٹھیں
پھر یہ کارِ ثواب کون کرے

غرقِ جام و شراب ہو کے شکیل
شغلِ جام و شراب کون کرے

○

اُف دیدۂ تر ہو اے نگرانِ محبت
افشا ہوا جاتا ہے ہر اک رازِ محبت

چھیڑا جو نگاہوں نے ذرا سازِ محبت
ہر ذرے سے آنے لگی آوازِ محبت

دل مضطربِ شوق نظر ساکت و خاموش
دیکھئے تو کوئی حُسن کے انداز محبت !

وہ لاکھ فریبِ نگہ و دل سہی لیکن
آغازِ محبت ہے پھر آغازِ محبت

تخلیق تسکین اس کی ہے بے معنی و مطلب
جس دل کو نہ ہو جستجوئے رازِ محبت

○

دل ہی سوزِ دروں سے جل جاتا
کوئی ارمان تو نکل جاتا

ہے جو سب کچھ تو دل نہیں لگتا
کچھ نہ ہوتا تو دل بہل جاتا

ہم خوشی سے جو تیرا غم سہتے
غم کا عنوان ہی بدل جاتا

جنبشِ یک نظر کی حسرت تھی
کوئی گرتا ہوا سنبھل جاتا !

تم نگاہیں چرا چرا لیتے
رنگِ محفل بدل بدل جاتا

○

شاعر ہمہ تن و ہوش ہاں کوئی نغمۂ سروش
دل کی صدا ہے کیوں خموش دل کی صدا کو کیا ہوا!
یوں تو ہزار نقش ہیں صفحۂ کائنات پر
اس کا پتہ نہیں مگر نقش وفا کو کیا ہوا!

دل مرکزِ حجاب بنایا نہ جائے گا !

ان سے بھی رازِ عشق چھپایا نہ جائیگا

آنکھوں میں اشک قلب پریشاں نظر اداس
اس طرح ان کو چھوڑ کے جایا نہ جائیگا

نہ خود کہیں تو شرحِ محبت بیاں کرو
نغمہ بغیر ساز سنایا نہ جائے گا

بہتر یہی ہے ذکرِ محبت نہ چھیڑیئے
نقشہ بگڑ گیا تو بنایا نہ جائے گا

دل کی طرف تشکیل توجہ ضرور ہو
یہ گھر اجڑ گیا تو بسایا نہ جائے گا

بدمست ہو کے اے نگہ ناز دیکھنا
پھر میری لغزشوں کے انداز دیکھنا !

ترکِ نیازِ شوق کا اعجاز دیکھنا
سونی پڑی ہے انجمنِ ناز دیکھنا

سوز و گدازِ نغمۂ بے ساز دیکھنا !!
سارا جہاں ہے گوش بر آواز دیکھنا

ان کی حریمِ ناز کے پردے کو چھو لیا
میری نظر کی جرأتِ آغاز دیکھنا

یوں دیکھتی ہے جیسے نہیں دیکھتی نظر
ظالم کے دیکھنے کے یہ انداز دیکھنا

بُت خانۂ جہاں میں آئے تو ہیں شکیل
آساں نہیں ہے حُسنِ خدا ساز دیکھنا

سکون و صبر کا امیدوار ہے اب تک
نہ جانے کس لئے دل بیقرار ہے اب تک

کسی کے جلوۂ رنگیں کی جاذبیت سے
مرا وجود رنگِ بہار ہے اب تک

وہ اپنی وعدہ خلافی پہ ہو گئے نادم
اسی لئے تو توجہ حجابانہ ہے اب تک

اٹھا تھا ایک ہی پردہ ہزاروں پردے ہیں

جہاں میں تذکرۂ حُسنِ یار رہا ہے اب تک
جلے ہوئے مرے دل کو ہوا زمانہ تمکینؔ
کسی کی برقِ نظر شعلہ بار ہے اب تک

⊙

سرگذشتِ دل کو رودادِ جہاں سمجھا تھا میں
مختصر سی بات کو اک داستاں سمجھا تھا میں

بن گئی میرے لئے اِک اضطرابِ مستقل!
جس محبت کو سکونِ قلب و جاں سمجھا تھا میں

وہ بھی میری گردشِ تقدیر کا اِک دور تھا
جس کو اب تک انقلابِ آسماں سمجھا تھا میں

تھا حرم کی سرزمیں پر لذتِ اندوزِ سجود
یعنی کعبے کو تمہارا آستاں سمجھا تھا میں

وادیٔ غربت میں یوں گم کردہ منزل تھا تمکینؔ
رہزنِ منزل کو خضرِ کارواں سمجھا تھا میں

○

پی شوق سے واعظ! ارے کیا بات ہے ڈر کی
دوزخ ترے قبضے میں ہے جنت ترے گھر کی

ایمان کی دولت سے ترے حسن کا سودا
ایمان تو قسمت ہے تری اِک نظر کی
آجائے تصور میں کوئی حشر بداماں
پھر میری شبِ غم کو ضرورت سحر کی
کچھ سہل نہ پائے ہیں محبت کے مراتب
چھانی ہے بہت خاک تری رہ گذر کی

○

اپنا ہم مسلک وہم راز نہ کیسے کہیے تشکیل
نظر اس بزم میں سب آتے ہیں بیگانے سے

○

وہ دل میں رہتے ہیں دل کا نشاں نہیں معلوم
مکیں کو ڈھونڈھ رہا ہوں مکاں نہیں معلوم
سکوں سا پاتے لگا ہوں غمِ محبت میں
کہاں گئیں مری بیتابیاں نہیں معلوم
چمن کی فکر تھی کہ آشیاں کی فکر کے ساتھ
کدھر کو ٹوٹ پڑیں بجلیاں نہیں معلوم
وفا شعار تہی دست آئے منزل پہ
کہاں کہاں پہ لٹا کارواں نہیں معلوم

تشکیلِ آئینہ ہے دورِ انقلاب مگر
مآلِ قسمتِ ہندوستاں نہیں معلوم

○

یہ دورِ ماہتاب، یہ رنگِ شبِ بہار
فطرت نے گیسوؤں کو سنوارا ہے آج کل

○

زندگی مدہوش ہو کر رہ گئی
اُن سے ہم آغوش ہو کر رہ گئی
میں نے جب دیکھا تو وہ برقِ جمال
دفعتاً روپوش ہو کر رہ گئی!
عشق پروانوں کو تھا وہ جل گئے
شمع کیوں خاموش ہو کر رہ گئی
کھل تو جائے گی زباں لطفِ حضور
ورنہ اگر خاموش ہو کر رہ گئی

○

کوئی بتائے کہ رہنما نے کیا بھی کیا خیر خواہ بنکر
ہم اپنی منزل پہ رفتہ رفتہ پہنچ گئے گردِ راہ بنکر

○

دیتی ہیں بہاریں انہیں پیغامِ سکوں کیا
معلوم نہیں فطرتِ اربابِ جنوں کیا!

اس مشقِ تغافل کی قسم یہ تو بتا دے
تا عمر میں بے تاب ہی بے تاب رہوں کیا

ہاں تیری خوشی میری خوشی ہے یہ درست
اس لطفِ مسلسل کا بھی شکوہ نہ کروں کیا

مخلوق بھی ہستی مری خالق بھی مری ذات
اس پر بھی مجھے علم نہیں ہے کہ میں ہوں کیا

سب تیری محبت کی عنایت ہیں ورنہ
میں کیا مرا دل کیا مرے اندازِ جنوں کیا

مانا کہ بہت تلخ ہے انجامِ تمنا
یہ غم تری خاطر بھی گوارا نہ کروں کیا

اک عالمِ عرفانِ حقیقت ہے محبت
اک منزل اور اک محبت ہے جنوں کیا

○

دور ہیں وہ اور کتنی دور
پھر بھی میری نظروں کے حضور

رنج و مصیبت جور و ستم
آپ کی خاطر سب منظور

دل پہ بیتے لب تک نہ آئے
ہائے محبت کا دستور

پردۂ رنگ و بو تو اُٹھا
ہوگا کوئی نہ کوئی ضرور

دوری ہی کیا ہے شکیل
دنیا کی عقلوں کا فتور

شبِ فرقت کی ان رنگینیوں پر جان و دل صدقے
تمہاری یاد ہو دل میں ستارے جھلملاتے ہوں

تھا دل کو سکوں عشقِ جنوں گیر سے پہلے
گردش ہی نہ تھی گردشِ تقدیر سے پہلے

اب قسمتِ یک موجِ نفس ہو گئی معلوم
کچھ بھی تو نہ تھا آہ میں تاثیر سے پہلے

اے سایۂ دامانِ کرم ڈھونڈھنے والو
انجام بھی سوچا کبھی تقصیر سے پہلے

کیا پوچھتے ہو تمکنتِ عشق کا مآل
یہ اہتمامِ برق و شرر دیکھتے نہیں
دل دادگانِ سوزِ محبت خدا گواہ
بجھتے ہوئے چراغِ سحر دیکھتے نہیں

اب صرف تکلم تو نظریں ہیں کہیں اور
ان باتوں سے ہوتا ہے محبت کا یقیں اور

معذور ہوئے جاتے ہیں تنکے بھی چمن میں
اے برق ذرا میرے نشیمن کے قریں اور

مسجد کے ارادے سے نکلے تو ہیں زاہد
لیکن انہیں جاتے ہوئے دیکھا ہے کہیں اور

وہ مہلتِ اظہارِ تشکر نہیں دیتے
کچھ اس کے سوا ان سے شکایت ہی نہیں اور

ہے ترکِ محبت کا تخیل اب تو یہ عالم
میں جتنا کھنچتا ہوں وہ ہوتے ہیں قریں اور

لطف بردوش، مسرت بکنار آیا ہوں
چند لمحے تری محفل میں گزار آیا ہوں

○

کیوں نہ تقدیر پہ ہو نازِ دلِ غم آج کی رات
سن رہے ہیں وہ مرا قصۂ غم آج کی رات
اُٹھ گئی میری طرف چشمِ کرم آج کی رات
چھپ گئے دامنِ فردا میں ستم آج کی رات
بدگمانی ہوئی جاتی ہے یقیں در آغوش
کھا رہے ہیں وہ محبت کی قسم آج کی رات
سوچتا ہوں میں بہ ایں عالمِ فردوس خیال
کیا ہوئی شدتِ احساسِ الم آج کی رات
نگہِ لطفِ مسیحا سے بھی تسکیں نہ ہوئی
درد پہلے سے زیادہ ہے نہ کم آج کی رات

⊙

خود کو آئنہ بنانا چاہتا ہوں
جنوں کی زد پہ لانا چاہتا ہوں

جو تھی حاصل تری محفل سے پہلے!
اُسی خلوت میں جانا چاہتا ہوں

نہ ہوں جس میں نمایاں حال و ماضی
کوئی ایسا زمانہ چاہتا ہوں

جفا و رنج و لطف و شادمانی
میں سب کچھ بھول جانا چاہتا ہوں

تری خاطر جنہیں بیگانہ سمجھا
انہیں اپنا بنانا چاہتا ہوں

محبت پر پئے ترکِ محبت
کوئی تہمت لگانا چاہتا ہوں

○

نہ خیالِ مرگ و ہستی نہ ملالِ عمرِ فانی ! ! !
مرا مدّعا محبت، مری آرزو جوانی
وہی بے کیف و بے نہایت وہ لطف و شادمانی
تری عشرتوں کے صدقے مری تلخ زندگانی
جو بھڑک اُٹھے یہ شعلے تو مجھے بھی پھونک دیں گے
مرا قصّہ محبت نہ سنو مری زبانی !
مرے دل کا ساتھ دیتی مری زندگی کہاں تک
مجھے ہوش آ رہا تھا کہ گذر گئی جوانی
میں کروں تو شکوۂ غم مگر اے یقین محکم !
مجھے بے زباں نہ کر دے کہیں ان کی بے زبانی

نگاہِ شوق کرتا ہے آشکار مجھے
وہ اک راز جو سمجھا گئی بہار مجھے

فریب وعدۂ فردا کو جانتا ہوں مگر
میں کیا کروں اگر آجائے اعتبار مجھے

حضورِ تشنہ تجلیں ہے مذاقِ الم !
شکستِ دل کی صدا بن کے پھر پکار مجھے

زمانہ ترکِ محبت کو ہو گیا، لیکن
ستا رہی ہے خلش کوئی بار بار مجھے

نگاہِ قہر کی محبوب تلخیوں کی قسم
نگاہِ لطف بھی آئی نہ سازگار مجھے

◯

نظر کو شرکتِ غم کی بھی تاب نہیں !
بس آج ہم رہیں گلشن میں یا بہار رہے
خزاں کے دم سے ہے قائم چمن کی رعنائی
اُجڑ ہی جائے اگر مستقل بہار رہے
کہ ابِ خندۂ گل پہ نکل پڑیں آنسو
اگر نگاہ پس پردہ بہار رہے !

◯

محبت آرزوئے مسلسل ذوقِ محرومی
متاعِ زندگی میں بس یہی دو چار افسانے

○

جو کل تک اپنے لئے جانِ زندگی تھے شکیل
اب ان حسین مشاغل سے واسطہ نہ رہا

○

بہت کچھ ہو چکی ہیں زندگی میں خامیاں پیدا
ضرورت ہے نئے سر سے ہو پھر بزمِ جہاں پیدا
تغافل در نظر پنہاں شکایت بر زباں پیدا
یہ کیا شے ہو گئی میرے ان کے درمیاں پیدا
چمن میں رونقِ فصلِ بہاراں دیکھنے والے
چمن کے ہی کسی گوشے سے ہوتی ہے خزاں پیدا
تعجب ہے وہ کیوں کر زندگی کو منہ دکھاتے ہیں
جو دنیا میں ہوئے جینے کو بے نام و نشاں پیدا
وہ ناکامِ محبت ہوں جسے با وصفِ رسوائی
کوئی ہمدم میسر ہے نہ کوئی رازداں پیدا

○

خانۂ اُمید بے نور و ضیا ہونے کو ہے
چشم تر سے آخری آنسو جدا ہونے کو ہے

یہ بھی اے دل اِک فریبِ وعدۂ فردا نہ ہو
روز سنتا ہوں کوئی محشر بپا ہونے کو ہے

دور ہوں لیکن بتا سکتا ہوں ان کی بزم میں
کیا ہوا کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونے کو ہے

کھل رہی ہے آنکھ اِک کافر حسیں کی صبحدم
مے کشو! مژدہ در مے خانہ دار ہونے کو ہے

ترکِ الفت کو زمانہ ہو گیا لیکن شکیلؔ
آج پھر میرا اور ان کا سامنا ہونے کو ہے

○

سر بسر محرمِ گنجینۂ اسرار تھے ہم
آہ وہ دن کہ محبت کے پرستار تھے ہم

روز اُن مست نگاہوں سے پیا کرتے تھے
دور از تفرقۂ زاہد و مے خوار تھے ہم

ان کی یاد ان کا تصور تھی عبادت اپنی
رحمتیں جن پہ تصدق وہ گنہگار تھے ہم

ان کے سودے کے علاوہ کوئی سودا ہی نہ تھا

جنسِ الطافِ محبت کے خریدار تھے ہم

تھی روش اپنی مگر سارے زمانے سے جدا

دل سے اس رنگِ جدائی کے طرفدار تھے ہم

(۰)

ستم اپنے جو یاد آیا کریں گے

تو دل ہی دل میں پچھتایا کریں گے

غرورِ حسن کو باطل سمجھ کر!

سراپا عشق بن جایا کریں گے

نہ ہوگی تابِ ضبطِ غم جب آنکھ

یقیناً اشک بھر لایا کریں گے

قیامت ہوں گی نازک دل کی آہیں

ہر اک ذرّے کو تڑپایا کریں گے

مجھے ہر گام پر ٹھکرانے والے

مجھی پر ناز فرمایا کریں گے

میں کہتا ہی رہوں گا قصّۂ غم

وہ سنتے سنتے سو جایا کریں گے

شکیلؔ! اپنے لئے لمحاتِ فرصت

پیامِ نو بہ نو لایا کریں گے

(۰)

ضبط کا خوگر ہے دل انکی توجہ کم سہی

زندگی میں غم ہیں لاکھوں ایک یہ بھی غم سہی

غور سے سن لیں مکینِ جنتِ آسودگاں

گر بھی جاتے ہیں مکاں بنیاد مستحکم سہی

آپ خونِ عشق کا الزام اپنے سر نہ لیں

آپ کا دامن سلامت اپنے قاتل ہم سہی

ہم بھی غافل ہیں اداۓ شکر سے اے بے نیاز

تیری رزّاقی بقدرِ جرعۂ شبنم سہی

ہم نہیں اے ہم نشیں منت کشِ فصلِ بہار

ہے شگفتِ گل سے مطلب لو تو بھی موسم سہی

جن کو اٹھنا ہے وہ اٹھ جاتے ہیں چپکے سے شکیلؔ

بعد ان کے بزم میں گریہ سہی ماتم سہی

○

ہوئی اک عمر ترکِ التجا کو

مگر ہاتھ اب بھی اٹھتے ہیں دعا کو

انہیں ضد ہے مری عرضِ وفا سے

نہ جانے کیا سمجھتے ہیں وفا کو

غرض کی زندگی مطلب کی دنیا

کہاں رکھوں دلِ بے مدعا کو

جو ہیں کھوئے ہوئے سازِ طرب میں

وہ کیا سمجھیں مرے دل کی صدا کو

شکیلؔ اپنی وفا کرتی ہے ہر بار

سلامِ آخری اس بے وفا کو

کوئی آرزو نہیں ہے کوئی مدعا نہیں ہے
ترا غم رہے سلامت مرے دل میں کیا نہیں ہے

کہاں جامِ غم کی تلخی کہاں زندگی کا درماں
مجھے وہ دوا ملی ہے جو مری دوا نہیں ہے

تو بچا بچا کے دامن مرا پھر بھی ہے یہ دعویٰ
ترے دل میں میں ہی میں ہوں کوئی دوسرا نہیں ہے

تمہیں کہہ دیا ستمگر یہ قصور تھا زباں کا !
مجھے تم معاف کر دو مرا دل برا نہیں ہے

مجھے دوست کہنے والے ذرا دوستی نبھا دے
یہ مطالبہ ہے حق کا کوئی التجا نہیں ہے

یہ اداس اداس چہرے یہ حسیں حسیں تبسم
تری انجمن میں شاید کوئی آئینہ نہیں ہے

مری آنکھ نے تجھے بھی بخدا شکیلؔ پایا
میں سمجھ رہا تھا مجھ سا کوئی دوسرا نہیں ہے

صداقت آج کل ہم پایہ تقصیر دیکھی ہے !
جو منصب ہیں انہیں کے پاؤں میں زنجیر دیکھی ہے

گروہِ چارہ سازانِ غمِ دل اے معاذ اللہ
زباں پہ "یا محبت" ہاتھ میں شمشیر دیکھی ہے

نہ جانے کون خوش قسمت غمِ دوراں سے بچ نکلا
درِ زنداں پہ اِک ٹوٹی ہوئی زنجیر دیکھی ہے !

اُجالا ہو گیا کچھ اور جب شمعیں ہوئیں یکجا
مری آنکھوں نے آج اس خواب کی تعبیر دیکھی ہے

نہ کیوں فصلِ بہاراں کو ترا پیغامبر سمجھوں
چمن میں پتے پتے پہ تری تحریر دیکھی ہے

ہمارے گھر وہ آتے ہیں مگر ہم گھر سے باہر ہیں
شکیلؔ اس رنگ میں بھی گردشِ تقدیر دیکھی ہے

کیا غمِ ہستی کیا غمِ جاناں
کون نہیں ہے شعلہ بداماں

نظمِ دو عالم گیسوئے جاناں
یہ بھی پریشاں وہ بھی پریشاں

کون ہے مجرم ترکِ وفا کا
آپ بھی نادم ہم بھی پشیماں

اب جو کروں اظہارِ تمنّا

ہاتھ تمہارا میرا گریباں

عشق کو دنیا کھیل نہ سمجھے

کام ہے مشکل نام ہے آساں

واہ رے زاہد تیری دورنگی

دن کو فرشتہ رات کو انساں

جنگ ہے جیسے مرگِ محبّت

امن ہے جیسے رقصِ غزالاں

○

حریفِ سکوں دردِ دل ہو گیا ہے

غمِ عارضی مستقل ہو گیا ہے

جھکا ہے ترے در پہ جو بھی فرشتہ

وہی پیکرِ آب و گل ہو گیا ہے

نہ جانے محبت کا انجام کیا ہو

کئی دن سے دل مضمحل ہو گیا

مرا سوزِ حرماں در رنگِ پریدہ

ترے حسن میں منتقل ہو گیا ہے

وہی بجھ گئے ہیں جہنم کے شعلے

گناہ گار جب منفعل ہو گیا ہے

قائل کہ ہے زعمِ چارہ گری، اب دردِ نہاں کی خبر نہیں
وہ مجھ پہ کرم فرمانے لگے شاید مری جاں کی خبر نہیں
اُترا وہ خمارِ بادۂ غم رِندوں کو رہا اور اک ستم
کھلنے کو ہے مےخانہ کا بھرم، اب پیرِ مغاں کی خبر نہیں
اب تک تو کرم کی نظروں نے ہر فتنۂ دوراں روک لیا
اب دوش پہ زلفیں برہم ہیں اب نظمِ جہاں کی خبر نہیں
سوچا ہے شکیلؔ ان کے دل کو میں فتح کروں گا سجدوں سے
یا مری جبیں کی خبر نہیں یا کوئے بتاں کی خبر نہیں

مناظر تھے جو فردوسِ تصور!
وہ سب مستور ہوتے جا رہے ہیں
فراق و ہجر کے تاریک لمحے
سراپا نور ہوتے جا رہے ہیں

اے محبت ترے انجام پہ رونا آیا
جانے کیوں آج ترے نام پہ رونا آیا

یوں تو ہر شام امیدوں میں گزر جاتی تھی
آج کچھ بات ہے جو شام پہ رونا آیا

کبھی تقدیر کا ماتم کبھی دنیا کا گلہ
منزلِ عشق میں ہر گام پہ رونا آیا

مجھ پہ ہی ختم ہوا سلسلۂ نوحہ گری
اس قدر گردشِ ایام پہ رونا آیا

جب ہوا ذکر زمانے میں مسرت کا شکیلؔ
مجھ کو اپنے دلِ ناکام پہ رونا آیا

ذکرِ دستورِ وفا دنیا سے اٹھتا جاتا ہے
آج بھی لیکن کوئی انسان نظر آجاتا ہے
گاہے گاہے دیکھتے ہیں وہ محبت سے مجھے
رفتہ رفتہ زندگی کا راز کھلتا جاتا ہے
بھول جاتا ہوں غمِ دوراں کو دم بھر کے لیے
جب کوئی زہرہ جبیں میرے قریب آجاتا ہے

ق

عشق تو ہو ہی چکا تھا غرقِ طوفانِ حیات
حسن بھی موجِ غمِ ہستی میں ڈوبا جاتا ہے
ہیں وہی گیسو مگر پہلی سی وہ خوشبو نہیں
ہیں وہی عارض مگر کچھ رنگ اڑتا جاتا ہے

رنگ لائے غمِ دوراں تو مزہ آجائے
وہ بھی ہو جائیں پریشاں تو مزہ آجائے

تو سمجھتا ہے بابِ نشیمن اے دوست
وہ بھی نکلے درِ زنداں تو مزہ آجائے

ذکر کرتے ہیں بہاروں کا بہت اہلِ خرد
تھام لے کوئی گریباں تو مزہ آجائے

ہے بہت ناز تمہیں اپنی نگاہوں پہ شکیلؔ
دیکھ لو جلوہ جاناں تو مزہ آجائے

اہانتِ دلِ صبر آزما نہیں کرتے
بلند ہم کبھی دستِ دعا نہیں کرتے

وہ بات اُن کی نگاہیں بتا دیتی ہیں
جسے وہ اپنی زباں سے ادا نہیں کرتے

اُمیدِ عہدِ وفا اور اِن بتوں سے شکیلؔ
جو بھول کر بھی کسی سے وفا نہیں کرتے

لطفِ نگاہِ ناز کی تہمت اٹھائے کون
کچھ دیر کی بہار کو خاطر میں لائے کون

مانا حریمِ ناز کے پردوں میں ہے کوئی
لیکن حریمِ ناز کے پردے اٹھائے کون

پڑ جاتے لاکھ وقت مگر یہ نہیں قبول
میں دیکھتا رہا ہوں کہ میرے کام آئے کون

کیسی بہار، کس کے سامنے کہاں کے پھول
حبیب تم نہیں تو دیدہ و دل میں سمائے کون

ختم شد

دھرتی کو آکاش پکارے

شکیل بدایونی

ہم درد کا افسانہ دنیا کو سنا دینگے
ہر دل میں محبت کی اک آگ لگا دینگے
ہو جائے گی پھر دنیا آباد یتیموں کی
گونجے گی زمانہ میں فریاد یتیموں کی
روتے ہوئے نغموں سے طوفان اٹھا دینگے

سرکار دو عالم کی اُمت پہ ستم کیوں ہو
اللہ کے بندوں کو منجدھار کا غم کیوں ہو
اسلام کی کشتی کو ہم پار لگا دینگے

احسان یتیموں کی تقدیر پہ کر ڈالو
فریاد ہے دل والو فریاد ہے دل والو
ہم پر بھی کرم کرنا ہم تمکو دعا دینگے

بیچ بھنور میں آن پھنسا ہے دل کا سفینہ - شاہِ مدینہ
بگڑی ہوئی تقدیر بنا دو - ڈوبتی نیا پار لگا دو
ایک نظر مجھ پر بھی خدارا مشکل ہے اب جینا شاہِ مدینہ
بیکس کے غمخوار تمہیں ہو - جو کچھ ہو سرکار تمہیں ہو
دل کا سکوں جینے کا سہارا - دنیا نے سب چھینا شاہ مدینہ

افسانہ لکھ رہی دلِ بیقرار کا !!
آنکھوں میں رنگ بھر کے ترے انتظار کا

جب تو نہیں تو کچھ بھی نہیں ہے بہاریں
جی چاہتا ہے منہ بھی نہ دیکھو بہار کا

حاصل ہیں یوں تو مجھکو زمانے کی دولتیں
لیکن نصیب لائی اک سوگوار کا

آجا کہ اب تو آنکھ میں آنسو نہیں رہے
ساغر چھلک اٹھا مرے صبر و قرار کا

بہار ختم ہوئی دل گیا خوشی بھی گئی   وہ کیا گئے کہ محبت کی زندگی بھی گئی

چلے دل کی دنیا جو برباد کر کے
بہت رو دیئے ان کو ہم یاد کر کے

کس طرح آتا نہیں چین دل کو   نہ خاموش رہ سکے نہ فریاد کر کے
ارے او مرے دل کے دشمن زمانے   تجھے کیا ملا مجھکو آزاد کر کے
خوشی دے کے تقدیر نے دیدیا غم   کیا قید کیوں مجھکو آزاد کر کے

کیا بتائیں کتنی حسرت دل کے افسانے میں ہے
صبح گلشن میں ہوئی شام ویرانے میں ہے

ہائے وہ آغازِ الفت میں خوشی اقرار کی
ہائے وہ کس کس بہانے کوششیں دیدار کی
چھپ کے دنیا کی نگاہوں سے وہ باتیں پیار کی
اب نہ جانے راز کیا ملکر بچھڑ جانے میں ہے

کیا مجھے اپنا بنایا تھا مٹانے کیلئے
کیا خبر تھی جا رہے ہو جا کے نہ آنے کیلئے
جس اٹھی ہے آگ غم کی دل جلانے کے لئے
دل لگانے کا مزہ اب گھٹ کے مر جانے میں ہے

کچھ سمجھ میں ہی نہیں آتا کہ اب جاؤں کدھر
ٹھوکریں کھانا ہی قسمت میں لکھا ہے دربدر
میرے مٹنے کی شکایت انسے نہ کہنا مگر
انکا افسانہ بھی شامل میرے افسانے میں ہے

ہو تاروں بھری رات سجن تاروں بھری رات
اب ایسے میں آؤ تو کہوں تم سے میں اک بات - سجن تاروں بھری رات
دل دل سے ملے اور نگاہوں سے نگاہیں
یہ مست نظر رہے کبھی تمہیں دیکھنا چاہیں
تم ایسے میں آجاؤ تو ہو جائے ملاقات - سجن تاروں بھری رات

گھنگور گھٹاؤں کو ملا دیس نکالا ! !
پھر چاند کے جلوؤں نے کیا دل میں اجالا
آجاؤ کہ اب ختم ہوئی نینوں کی برسات۔ سجن تاروں بھری رات

دھرتی کو آکاش پکارے۔ آجا آجا پریم دوارے۔ آنا ہی ہو گا
اس دنیا کو چھوڑ کے پیارے۔ جھوٹے بندھن توڑ کے سارے۔ جانا ہی ہو گا

غریبوں پہ جو ہوتی ہیں جفائیں کون سنتا ہے زمانے میں اے دل کی صدائیں کون سنتا ہے
غم کا فسانہ کس کو سنائیں
ٹوٹا ہوا دل کیسے دکھائیں
تیرا بھلا ہو تڑپانے والے، دل دے رہا تجھکو دعائیں .... غم کا فسانہ
ہنستی ہے قسمت ہنستی ہے دنیا۔ آپس میں دو دل ملنے نہ پائیں .... " " "
تجھکو قسم ہے تڑپانے والے۔ پھر یہ زمانے شاید نہ آئیں .. " " "

تقدیر بنی بن کر بگڑی دنیا نے ہمیں برباد کیا !!
دکھ درد کے ہاتھوں لٹ کر بھی اے دل نے تجھی کو یاد کیا
ہم دل کی لگی کو کیا روئیں الفت میں ہزاروں گھر بگڑے
اے عشق کے مارو تم ہی کہو قسمت نے کسے آباد کیا

اس قید میں جینا مشکل ہے اسے موت لگی ہے اس تڑپی
چپکے سے ذرا آ کر کہدے جا ہم نے تجھے آزاد کیا

○

یہ زندگی کے میلے دنیا میں کم نہ ہوں گے افسوس ہم نہ ہونگے
اک دن پڑے گا جانا۔ کیا وقت کیا زمانہ
کوئی نہ ساتھ دے گا۔ سب کچھ یہیں رہیگا۔ جائینگے ہم اکیلے۔ یہ زندگی کے میلے
دنیا ہے موج دریا۔ قطرے کی زندگی کیا
پانی میں مل کے پانی۔ انجام یہ کہ فانی۔ دم بھر کو سانس لیلے۔ یہ زندگی کے میلے
ہوں گی یہی بہاریں۔ الفت کی یادگاریں
بگڑے گی اور بنے گی۔ دنیا یہی رہے گی۔ ہوں گے یہی جھمیلے۔ یہ زندگی کے میلے

○

پھر آہ دل سے نکلی ٹپکا لہو جگر سے
شاید وہ جا رہے ہیں چھپکر مری نظر سے

معلوم کیا تھا دل پہ اک یہ ستم بھی ہوگا
آئیں گے اور آ کر پھر جائیں گے وہ در سے

وہ جانتے تو ہوں گے مجبوریاں ہماری
ہم جن کو دیکھتے ہیں حسرت بھری نظر سے

ہم ہوگئے پرائے اب ان سے واسطہ کیا
کہدے یہ ان سے کوئی گذریں نہ وہ ادھر سے

گانے جا گیت ملن کے۔ تو اپنی لگن کے سجن گھر جانا ہے

کل سے چھلکے نینوں کی گگری کاہے برسے جل
تجھ بن سوتی ساجن کی نگری پردیسیا گھر چل
پہلے سے ہیں دیپ لگن کے ترے درشن کے سجن گھر جانا ہے

لٹ نہ جائے جیون کا ڈیرا مجھکو ہے یہ غم
ہم اکیلے یہ جگ بیڑا۔ بچھڑیں نہ مل کے ہم
بگڑیں نصیب نکلے۔ یہ دن جیون کے سجن گھر جانا ہے

ڈولے نیناں پریتم کے دوارے ملنے کی ہے دھن
بالم تیرا تجھکو پکارے یاد آنے والے سن
ساتھی ملیں گے بچپن کے کھیلنے پھول من کے سجن گھر جانا ہے

(۱۰)

سرِ اہلِ عشق کے اکثر جھکا نہیں کرتے
اگر جھکے بھی کہیں پھر اٹھا نہیں کرتے
وہ بات ان کی نگاہیں بتائے دیتی ہیں
جسے وہ اپنی زبان سے ادا نہیں کرتے
دلیلِ تابشِ ایماں ہے کفر کا احساس
چراغ شام سے پہلے جلا نہیں کرتے
امیدِ عہدِ وفا اور ان بتوں سے شکیلؔ
جو بھول کر بھی کسی سے وفا نہیں کرتے

راہبر کی نہ فکر نہ منزل کی ! !
کر رہا ہوں میں پیروی دل کی

کھو گیا جستجوئے شوق میں جب
مل گئی مجھ کو راہ منزل کی

آہ نہ آئے نہ ان کو آنا تھا
آرزو دل میں رہ گئی دل کی

پھر تلاطم میں لے گئیں موجیں
مجھ کو صورت دکھا کے ساحل کی

ترک الفت کی کوششیں ہیں فضول
کیا بجھے گی لگی ہوئی دل کی

الاماں یہ تشنگیٔ ذوقِ نظر !
پست ہیں ہمتیں مقابل کی

پہلو میں دردِ عشق کی دنیا لئے ہوئے
بیٹھا ہوں زندگی کا سہارا لئے ہوئے

دل ہے تجلیٔ رخِ زیبا لئے ہوئے
آغوش میں ہے چاند کو دریا لئے ہوئے

پہنچے تو دل میں جوشِ تمنا لئے ہوئے
لوٹے مگر لٹی ہوئی دنیا لئے ہوئے

میں جی رہا ہوں غم کدۂ روزگار میں
تیری محبتوں کا سہارا لئے ہوئے

اٹھتا ہوں بزمِ حسن سے لغزش بپا شکیلؔ
ہلکی سی اک نظر کا سہارا لئے ہوئے

نمایاں دونوں جانب شانِ فطرت ہوتی جاتی ہے
انہیں مجھ سے مجھے اُن سے محبت ہوتی جاتی ہے

مری شامِ الم صبحِ مسرت ہوتی جاتی ہے!
کہ ہر لحظہ ترے ملنے کی صورت ہوتی جاتی ہے

نگاہیں مضطرب اُترا ہوا چہرہ زباں ساکت
جو تھی اپنی وہی اب ان کی حالت ہوتی جاتی ہے

نہ کیوں ہوں اس ادا پر عشق کی خودداریاں صدقے
انہیں رودادِ غم سُن سُن کے حیرت ہوتی جاتی ہے

کہیں رازِ محبت آسماں پر بھی نہ کھل جائے
مجھے آہ و فغاں کرنے کی عادت ہوتی جاتی ہے

محبت ہی میں ملتے ہیں شکایت کے مزے پیہم
محبت جتنی بڑھتی ہے شکایت ہوتی جاتی ہے

شکیلؔ ان کی جدائی میں ہے لطفِ زندگی زائل
نظر بے کیف افسردہ طبیعت ہوتی جاتی ہے

کسی کو جب نگاہوں کے مقابل دیکھ لیتا ہوں
تو پہلے سر جھکا کے حالتِ دل دیکھ لیتا ہوں

مآلِ جستجوئے ذوقِ کامل دیکھ لیتا ہوں
اٹھاتے ہی قدم آثارِ منزل دیکھ لیتا ہوں

میں تجھ سے اور لطفِ خاص کا طالب معاذ اللہ
ستمگر اس بہانے سے ترا دل دیکھ لیتا ہوں

جو موجیں خاص کر چشم و چراغِ دامِ طوفاں ہیں
میں ان موجوں کو ہم آغوشِ ساحل دیکھ لیتا ہوں

تسکینِ احساس ہے مجھ کو ہر اک موزوں طبیعت کا
غزل پڑھنے سے پہلے رنگِ محفل دیکھ لیتا ہوں

○

بے خوف و بے خطر ستمِ بے پناہ سے
اکثر گزر گیا ہوں محبت کی راہ سے

سرگوشیاں ہیں بزم میں کچھ میری آہ سے
اب راز کھل نہ جائے کہیں اشتباہ سے

زاہد جنونِ سجدۂ پیہم غلط غلط !
سجدہ وہی ہے سر نہ اٹھے سجدہ گاہ سے

اقبالؔ جرمِ شوق نہ کرنا بھی جرم ہے
عذرِ گناہِ عشق ہے بدتر گناہ سے

دل ترکِ شوق کر نہ سکا اُف یہ کیا ہوا
میری نگاہ مل گئی ان کی نگاہ سے

منزل کی دُھن میں منتِ رہبر تو ہو چکی
اب لیجئے مشورہ کسی گم کردہ راہ سے

○

کب تک شکیلؔ دل کو دغا دیجئے گا آپ
بہتر یہی ہے ان کو بھلا دیجئے گا آپ

پھر تشنۂ جمال بنا دیجئے گا آپ ؟
رُخ سے نقاب اُلٹ کر گرا دیجئے گا آپ

دل کے عوض تو غم ہی دیا آپ نے مگر !
اب جاں بھی نذر کر دوں تو کیا دیجئے گا آپ

ہٹتا جبینِ حسن پہ گناہوں کا داغ
وہ تو مری نظر کو دعا دیجئے گا آپ

احساسِ ترکِ شوق بجا ہے مگر شکیلؔ
مانگا جواب دل نے تو کیا دیجئے گا آپ

○

جلوؤں کے تسلط سے مجھے ہوش نہیں ہے
پردہ تو یہی ہے کہ وہ روپوش نہیں ہے

گو حسن کی فطرت ہی وفا کوش نہیں ہے
اس پہ بھی تو خالی کوئی آغوش نہیں ہے

اللہ رے محبت میں مری دیدہ دلیری
ہر جرم یہ کہتا ہوں مجھے ہوش نہیں ہے

کیا جانیے کیا سن کے چلا آیا ہے کوئی
اس طرح کہ آنچل بھی سرِ دوش نہیں ہے

الفت ہے تشکیل اب بھی مگر تشنۂ شورش
بادہ ہے مگر بادہ سرجوش نہیں ہے

○

سراپا آرزو بن کر تصور آشنا ہو کر
رہیں گے ہم انہیں کے روبرو دل سے جدا ہو کر

فروغِ جلوۂ حیرت اثر میں مبتلا ہو کر!
ہیں ان کے روبرو آیا انہیں کا آئینہ ہو کر

نگاہوں کا نہ ملنا قلب کو محسوس ہوتا ہے
کسی کا تیر سیدھا دل پہ آتا ہے خطا ہو کر

ٹھہرنے ہی نہیں دیتا مذاقِ جستجو مجھ کو
گزر جاتا ہوں ہر منزل سے منزل آشنا ہو کر

رہ عشق و وفا میں اختلافِ شوق کیا معنی
پہنچ جائیگی اک مرکز پہ دنیا جابجا ہو کر

حریفانِ محبت سرنگوں کیوں ہیں سرِ محفل!!
اگر کچھ پاسِ غیرت ہے تو اُٹھ جائیں خفا ہو کر

○

سرنگوں کر ہی دیا ذوقِ جبیں سائی نے
نخوتِ عشق مٹا دی تری یکتائی نے
ہوش و ادراک سے بیگانہ بنا کر اکبار
کروٹ ہی نہ بدلی تری انگڑائی نے
بن گیا ہے خود نظارہ یا لفاظِ دِگر
لاج رکھ لی ترے جلووں کی تماشائی نے
مختصر ایک تو ویسے ہی رہتی قیدِ حیات
اور میعاد بڑھا دی شبِ تنہائی نے
قدر ہوتے لگی اربابِ محبت میں تیکی
مجھ کو انسان بنایا مری رسوائی نے

افسردہ نہ ہو اے نگہِ نازِ محبت!!
افشا ہوا جاتا ہے ہر اک رازِ محبت
چھیڑا جو نگاہوں نے ذرا سازِ محبت
ہر ذرے سے آتے لگی آوازِ محبت
آگے ہے تعین کی حدوں سے مری تخیل
ہشیار ہو اے طاقتِ پروازِ محبت
دل مضطرب شوق نظر ساکت و خاموش
دیکھے تو کوئی حسن کے اندازِ محبت

وہ لاکھ فریبِ نگہ و دل سہی لیکن
آغازِ محبت ہے پھر آغازِ محبت
تخلیق تشکیل اس کی ہے بے مطلب و معنی
جس دل کو نہ ہو جستجوئے رازِ محبت

○

دل ہی سوزِ دردوں سے جل جاتا
کوئی ارمان تو نکل جاتا !
ہے جو سب کچھ تو دل نہیں لگتا
کچھ نہ ہوتا تو دل بہل جاتا
ہم خوشی سے جو تیرا غم سہتے
غم کا عنوان ہی بدل جاتا !
جل گیا طور کیا کمال ہوا۔
بات جب تھی نقاب جل جاتا
جنبشِ یک نظر کی حسرت تھی
کوئی گرتا ہوا سنبھل جاتا
دل میں آ کر وہ دیکھ تو لیتے
یہ بھی کیا طور تھا کہ جل جاتا
تم نگاہیں چرا چرا لیتے !
رنگِ محفل بدل بدل جاتا

○

اب تک ہے وہی عشق فسوں ساز کا عالم
جیسے کوئی گونجی ہوئی آواز کا عالم

رسوائی کا عالم ہے کہیں راز کا عالم!
دلکش ہے محبت کے ہر انداز کا عالم

احساس محبت کی قسم غور تو کیجئے!
کیا پہلے یہی تھا نگہ ناز کا عالم!

جلوت میں سکوت دل پر شوق کا عالم
خلوت میں خیالات کی پرواز کا عالم

اٹھا تھی شکیلؔ آنکھ نہ اٹھی سر محفل
دیکھا نہ گیا حسن خدا ساز کا عالم

⊙

یہ تو آساں ہے کہ عرض غم پنہاں ہو جائے
اور اگر اپنے کئے پر وہ پشیماں ہو جائے

نامکمل ہے ابھی مرحلہ راز وفا!
دور کچھ اور ذرا منزل جاناں ہو جائے

میرے ارماں پہ ذرا سوچ سمجھ کر ہنسیئے
میرا ارمان نہ کہیں آپ کا ارمان ہو جائے

زاہدان کفر کے جلووں کی قسم تجھ کو معاف
تجھ سے سو بار اگر لغزش ایماں ہو جائے

لے تو آیا ہے مقدر سرِ ساحل مجھکو
اب نہ ساحل بھی کہیں محرمِ طوفاں ہو جائے

اب تو آزادیٔ مجبورِ محبت ہے یہی
زندگی خوگر پابندیٔ زنداں ہو جائے

یہ بھی اک صورتِ تسلیمِ محبت ہے شکیل
ورنہ دل اور محبت میں پریشاں ہو جائے

○

پیہم تلاشِ دوست میں کرتا چلا گیا
کونین کی حدوں سے گذرتا چلا گیا

جتنا مذاقِ عشق سنورتا چلا گیا!
رنگِ طبیعت اور نکھرتا چلا گیا

اس سنگدل کی دیدہ دلیری تو دیکھنا
شکووں کا اعتراف بھی کرتا چلا گیا!

بے چارگی تو دیکھئے مجبورِ شوق کی
تہمت مقدرات پہ دھرتا چلا گیا

دیتے رہے فریبِ مسرت وہ پے بہ پے
میں غم کی منزلوں سے گذرتا چلا گیا

تصویرِ یاس وغم تھی لبا ہر نہاں مگر
ہر نقش دل ہی دل میں ابھرتا چلا گیا

دل محوِ اضطراب نظر ساکت و خموش
یہ کون سامنے سے گزرتا چلا گیا

بدمست ہو کے اے نگہِ ناز دیکھنا
پھر میری لغزشوں کے بھی انداز دیکھنا
ترکِ نیازِ شوق کا اعجاز دیکھنا!
سونی پڑی ہے انجمنِ ناز دیکھنا
سوز و گداز نغمہ بے ساز دیکھنا!
سارا جہاں ہے گوش بر آواز دیکھنا
ان کی حریم ناز کے پردوں کو چھو لیا
میری نظر کی جرأتِ آغاز دیکھنا
خود بن گیا پیامِ سکوں جوشِ اضطراب
گھبرا کے کس نے دی مجھے آواز دیکھنا
یوں دیکھتی ہے جیسے نہیں دیکھتی نظر
ظالم کے دیکھنے کے یہ انداز دیکھنا
بت خانۂ جمال میں آئے تو ہو شکیل
آساں نہیں ہے حسنِ خداداد دیکھنا

عکسِ جمالِ یار ہوا جا رہا ہوں میں
سر تا قدم بہار ہوا جا رہا ہوں میں

خود حسن خود بہار ہوا جا رہا ہوں میں
فطرت کا شاہکار ہوا جا رہا ہوں میں
جتنا وہ دے رہے ہیں پیام سکوں مجھے
اتنا ہی بے قرار ہوا جا رہا ہوں میں
تیرا جمال، تیری محبت تیری نظر!
لیکن قصوروار ہوا جا رہا ہوں میں
وہ کہہ رہے ہیں قصہ بینائی فراق
سن سن کے بے قرار ہوا جا رہا ہوں میں
بن کر شکیل رازِ سراپائے حسن دوست
عالم پہ آشکار ہوا جا رہا ہوں میں

○

نظارۂ جمال سے جنت ہے زندگی!
وہ روبرو نہیں تو قیامت ہے زندگی
ہر چند ایک زندہ حقیقت ہے زندگی
لیکن بس اک نگاہ کی قیمت ہے زندگی
جیسے چاہے پھونک دے مری ہستی کا آشیاں
اک برق بے اماں کی امانت ہے زندگی
مٹّا ردا، نگاہ جھکانا نہیں قبول!
بیگانۂ فریب ندامت ہے زندگی

ان کے خیال ان کی تمنا میں مست ہوں
میرے لئے شکیلؔ عبادت ہے زندگی

○

ہم ہیں اور اُن کی خوشی سے آج کل
زندگی ہی زندگی ہے آج کل ،،
غم کا ہر عالم نیا ہے ان دنوں
دل کی ہر دنیا نئی ہے آجکل
ان کا ذکر ان کی تمنا ان کی یاد
وقت کتنا قیمتی ہے آج کل !
چاند بھی ہے سوگوار ہجر دوست
پھیکی پھیکی چاندنی ہے آج کل
جل رہی ہے دل میں شمع آرزو
غم کدے میں روشنی ہے آج کل
تو ہے اور دریا دلی ہے ساقیا
میں ہوں اور تشنہ لبی ہے آجکل
بے قراری کروٹوں پہ کروٹیں !
دل کا عالم دیدنی ہے آجکل
غرضِ غم پہ مسکراتے بھی نہیں
یہ بھی سہی یہ بھی ہے آج کل

حاصلِ ترکِ محبت دیکھنا!
انجمن سونی پڑی ہے آج کل!
دل میں اور مایوسیوں میں اے تشکیلؔ
اتحادِ باہمی ہے آج کل!!

○

دارفتگی میں جنسِ محبت خرید لی
لطفِ سکوں مٹا کے قیامت خرید لی
واعظ نہ پوچھ حاصلِ ترغیبِ میکشی!
اک جام کے عوض تری جنت خرید لی
دل کو نگاہِ ناز نے اپنا بنا لیا
کچھ شوخیوں نے مل کے متانت خرید لی
یوں کر رہے ہیں شرحِ محبت پہ تبصرہ
جیسے ہمیں نے جنسِ محبت خرید لی
چاہے آنسوؤں میں وہ کشش و جذب ہی کہاں
لیکن گناہ گار نے رحمت خرید لی

○

خوشا وہ دَور کہ جب فکرِ روزگار نہ تھی
نزاکتِ غمِ دل زندگی پہ بار نہ تھی
ہر ایک لمحہ تھا آسودۂ سکونِ حیات

ملی تھی ایسی طبیعت جو بے قرار نہ تھی
قریب تر تھا ہر اک مدعا بقدرِ طلب
نگاہ واقفِ تکلیفِ انتظار نہ تھی
دلِ شگفتہ و نازک تھا فطرتاً آزاد
ہزار شغل تھے فکرِ مآل کار نہ تھی
فلک کے جورِ مسلسل پہ اعتماد نہ تھا
زمین کی گردشِ پیہم بھی ناگوار تھی

○

نگاہِ شاہدِ گلشن ضرور تھی لیکن
فریب خوردۂ رنگینیِ بہار نہ تھی
ہر ایک شے پہ تصرف تھا دیدہ و دل کا
جہاں میں کشمکشِ جبر و اختیار نہ تھی
جنوں مشغلۂ آشیانہ سازی تھا!
عیاں گرفتگیِ برقِ شعلہ بار نہ تھی!
نہ درد و غم نہ شکایت نہ اضطرابِ جنوں
محبتیں تھیں مگر کوئی یادگار نہ تھی
کبھی یہ حال کہ خلوت میں جی نہ لگتا تھا
کبھی یہ رنگ کہ محفل بھی سازگار نہ تھی
حیاتِ عشرتِ ماضی ارے معاذ اللہ

بجا کہوں تو عمارت ہی پائدار نہ تھی
غرض تمام ہوئی اب وہ داستانِ نشاط
حسین خواب سے بڑھ کر جو کامگار نہ تھی
شکیلؔ آہ یہ عالم ہے اب تو ہستی کا
کہ جیسے اپنے چمن میں کبھی بہار نہ تھی!

○

آ گئی ہیں رحمتیں پھر جوش میں
ہوش میں اے پینے والو ہوش میں
کیا اثر تھا جذبۂ خاموش میں
خود وہ کھنچ کے آ گئے آغوش میں
سارا عالم پائے بادہ نوش پر
ایک ساغر دستِ بادہ نوش میں
اب تک اک دلکش صدائے بازگشت
گونجتی ہے پردہ ہائے گوش میں
پھر بہار آئی نئے انداز سے
اے جنوں فتنہ ساماں ہوش میں
رہ گئی اک مسکراہٹ سی شکیلؔ
جذب ہو کر اُس لبِ خاموش میں

○

منزل کی دھن میں ہوش و خبر سے گذر گئے
سو بار تیری راہ گذر سے گذر گئے !

جو امتیاز شام و سحر سے گذر گئے
ایسے بھی کچھ زمانے نظر سے گذر گئے

اپنی تو اب تمام ہوئی کائناتِ غم
وہ اشک تھے سو دیدۂ تر سے گذر گئے

رخ پر کسی کے ہائے وہ رنگِ شکستِ غم
نالے حدودِ جذب و اثر سے گذر گئے

باوصفِ شوق ان کو نظر تو نہ پا سکی
لیکن وہ ہر مقامِ نظر سے گذر گئے

ہر چند فرشِ راہ تھی ان کیلئے نگاہ
پھر بھی خبر نہیں وہ کدھر سے گذر گئے

مدت کے بعد سامنے آئے تھے وہ مگر
رسوائیِ جمال کے ڈر سے گذر گئے

کیا پوچھتے ہو لطفِ ہجومِ نظر شکیلؔ
کچھ تیر تھے جو قلب و جگر سے گذر گئے

۵

رازِ الفت عیاں ہے کیا کہیے
ہر نظر خود زباں ہے کیا کہیے

موت کیا زندگی کی اک کروٹ
زندگی جاوداں ہے کیا کہیے

ایک دل اور ہزار تنقیدیں
اپنی اپنی زباں ہے کیا کہیے

چل پڑے جس طرف قدم اٹھے
اپنی منزل کہاں ہے کیا کہیے

عشق ناکامیاب ہو نہ سکا
سعی غم رائگاں ہے کیا کہیے

اک نظر کا زی جواب نہیں
دل بہت ناتواں ہے کیا کہیے

○

شکوۂ اضطراب کون کرے
اپنی دنیا خراب کون کرے

گن تو لیتے ہیں انگلیوں پہ گناہ
رحمتوں کا حساب کون کرے

عشق کی تلخ کامیوں کے نثار
زندگی کامیاب کون کرے

دعوتِ میکشی ان آنکھوں میں
جرأتِ اضطراب کون کرے

دل بگا آئینہ سامنے لا کر
تجھ کو تیرا جواب کون کرے

ہم سے میکش جو توبہ کر بیٹھیں
پھر یہ کارِ ثواب کون کرے

غرقِ جام و شراب ہو کے تشکیلؔ
شغلِ جام و شراب کون کرے

مجھ سے خفا خفا بھی ہیں اور غم یہ ہی بھی ہے
موت کے ساتھ ساتھ ہی دعوتِ زندگی بھی ہے

مستِ شرابِ حسن ہوں اور یہ تشنگی بھی ہے
وہ مرے سامنے بھی ہیں آنکھ انہیں ڈھونڈتی بھی ہے

مست سے خوفِ دعا کیا صدمۂ روزگار کیا
موت کا انتظار کیا موت ہی زندگی بھی ہے

شکوۂ جورِ حسن کیوں صدمۂ دردِ ہجر کیا !
دل ہے تو دل لگی بھی ہے غم ہے تو زندگی بھی ہے

کیفِ شبِ بہار بھی جلوۂ حسنِ یار بھی !
چاند کو چاند کیا کہیں چاند میں روشنی بھی ہے

لوگ یہ کہہ اٹھے تمام حسن کے تشکیلؔ کا کلام
نغمہ نوازیاں بھی ہیں شعر میں پختگی بھی ہے

پھر اٹھی دل میں اِک موجِ شباب آہستہ آہستہ
پھر آیا زندگی میں انقلاب آہستہ آہستہ

سما کر مجھ میں وہ جانِ شباب آہستہ آہستہ
بنا دے گا مجھے اپنا جواب آہستہ آہستہ

یہ محفل زاہدانِ خشک کی محفل ہے اے رندو
ذرا اس بزم میں ذکرِ شراب آہستہ آہستہ

مری نظریں بھی کہ رفتہ رفتہ کھوئے جاتی ہے
ہوئے جاتے ہیں جلوے کامیاب آہستہ آہستہ

نہ کہیے ہاں نہ کہیے آپ کو مجھ سے محبت ہے
نگاہیں خود ہی مرے دینگی جواب آہستہ آہستہ

تشکیلؔ اس درجہ مایوسی شروعِ عشق میں کیسی
ابھی تو اور ہونا ہے خراب آہستہ آہستہ

الٰہی کیا یہی ہے حاصلِ تقدیرِ انسانی !
جدھر دیکھوں پریشانی پریشانی پریشانی !

جوانی کیا محبت کی یکایک شعلہ افشانی
محبت کیا بس اک کافر نظر کی سحر سامانی

بس اک انکے نہ ہونے سے یہ بربادی یہ ویرانی
کسی نے لوٹ لی جیسے بہارِ بزمِ امکانی

تصور یہ ہے کہ اک شہرِ طلسمات بپا ہے
نہ ہنگامہ نہ خاموشی نہ آبادی نہ ویرانی

مجھے سمجھا نہ اے ناصح تجھے سمجھا چکا ہوں میں
اگر اس پہ بھی ظالم تو نہ سمجھے تیری نادانی

جو سچ پوچھو حقیقت میں وہی دل ہے کہ ہو جس میں
قیامت خیز جذباتِ محبت کی فراوانی

○

رنگِ صنم کدہ جو ذرا یاد آگیا
ٹوٹیں وہ بجلیاں کہ خدا یاد آگیا

ہر چند دل کو ترکِ محبت کا تھا خیال
لیکن کسی کا عہدِ وفا یاد آگیا

جیسے کسی نے چھین لی رنگینیِ بہار
کیا جانیے بہار میں کیا یاد آگیا

رحمت نظر بچا کے نکلنے کو تھی مگر
وہ ارتعاشِ دستِ دعا یاد آگیا

اللہ رے ستم کہ انہیں مجھ کو دیکھ کر
سب کچھ محبتوں کے سوا یاد آگیا

○

ہم ان کی انجمن کا سماں بن کے رہ گئے
سر تا قدم نگاہ و زباں بن کے رہ گئے

پلٹے مقدرات کچھ اس طور سے کہ ہم
تصویرِ انقلابِ جہاں بن کے رہ گئے

کیا دل نہ بن سکے گا تیری اک نگاہ سے
جب دم زدن میں کون و مکاں بن کے رہ گئے

مظلوم دل کی تلخ نوائی تو دیکھنا
نغمے جو لب تک آئے فغاں بن کے رہ گئے

کرتے ہم ان سے رازِ محبت پہ گفتگو
لیکن وہ خود ہی رازِ نہاں بن کے رہ گئے

اب ہم ہیں اور حقیقتِ آرام ہائے تسلّی
لمحے خوشی کے خوابِ گراں بن کے رہ گئے

○

قصرِ ویران ہوا جاتا ہے
دل پریشان ہوا جاتا ہے
حرم و دیر کے جلووں کی قسم
کفر ایمان ہوا جاتا ہے
تابِ نظارہ الٰہی توبہ
جلوہ حیران ہوا جاتا ہے

نالہ آغوشِ اثر تک آ کر
خود پشیماں ہوا جاتا ہے

بے پیے شیخ فرشتہ تھا مگر
پی کے انساں ہوا جاتا ہے

دل ہے آمادۂ تکمیلِ نشاط
غم کا ساماں ہوا جاتا ہے

اللہ اللہ کہ انہیں کا پرتو
ان پہ قرباں ہوا جاتا ہے

سرورقِ شرحِ محبت کا شکیلؔ
اپنا دیواں ہوا جاتا ہے

دل لذتِ نگاہِ کرم پا کے رہ گیا
کتنا حسین خواب نظر آ کے رہ گیا

لب تک شکایتِ غمِ دل لا کے رہ گیا
ان کی ندامتوں پہ میں شرما کے رہ گیا

میرے دلِ تباہ کا عالم نہ پوچھیئے !!
اک پھول تھا جو کھلتے ہی مرجھا کے رہ گیا

منزل سے دور رہروِ منزل تھا مطمئن
منزل قریب آئی تو گھبرا کے رہ گیا

شوریدگیٔ نالۂ گستاخ کیا کہوں
اس قلبِ نازنین کو بھی تڑپا کے رہ گیا

بیگانہ وار جب وہ گزرتے چلے گئے
کچھ بے قرار دل مجھے سمجھا کے رہ گئے

ان کے حضور لب تو مگر نہ کھل سکے
رودادِ غم نگاہ سے دہرا کے رہ گیا

یوں ختم داستانِ محبت ہوئی شکیلؔ
جیسے کوئی حسین غزل گا کے رہ گیا

زندگی ان کی چاہ میں گزری !
مستقل درد و آہ میں گزری

زحمتوں سے نباہ میں گزری !
عمر ساری گناہ میں گزری !

ہائے وہ زندگی کی اک ساعت
جو تری بارگاہ میں گزری !

سب کی نظروں میں سربلند رہے
جب تک ان کی نگاہ میں گزری

میں وہ اک رہرو محبت ہوں
جس کی منزل بھی راہ میں گزری

اِک خوشی ہم نے دل سے چاہی تھی
وہ بھی غم کی پناہ میں گذری
زندگی اپنی اے شکیلؔ اب تک
تلخیٔ رسم و راہ میں گذری

○

عالم نہ پوچھیے جو ہمارا ہے آج کل
کشتی بھنور میں دُور کنارا ہے آج کل
تیرے ہی غم کا دل کو سہارا ہے آجکل
بے کیف زندگی بھی گوارا ہے آج کل
اللہ رے انقلاب کہ اک بادہ خواہ کا
دو چار آنسوؤں پہ گذارا ہے آجکل
وہ دَورِ ماہتاب یہ رنگِ شبابِ بہار
فطرت نے گیسوؤں کو سنوارا ہے آجکل
اک بار کہہ سکے پھر یہ زباں سے نہ کہہ سکے
ہم جس کے ہو گئے وہ ہمارا ہے آج کل
باقی رہا تھا زندہ دلوں میں بس اے شکیلؔ
وہ بھی غمِ فراق کا مارا ہے آج کل

○

منظر کوئی فردوس نظر ڈھونڈ رہا ہوں
تاروں کے تبسم میں سحر ڈھونڈ رہا ہوں

ہر گوشہ جز آغوشِ نظر ڈھونڈ رہا ہوں
تو یہ وہ کہاں ہیں میں کدھر ڈھونڈ رہا ہوں

ہر گام پہ ہے خواہشِ تکمیلِ محبت
منزل کو سرِ راہ گزر ڈھونڈ رہا ہوں

ہر لحظہ انہیں ڈھونڈتی پھرتی ہیں نگاہیں
میں خود کو بہ اندازِ دگر ڈھونڈ رہا ہوں

گو رفعتِ کونین نگاہِ دل سے ہے اوجھل
لیکن حدِ پروازِ نظر ڈھونڈ رہا ہوں

بیتابیٔ دل سے مجھے امیدِ سکوں ہے
ناکام دعاؤں میں اثر ڈھونڈ رہا ہوں

اب تک وہی عالم ہے شکیلؔ اپنے جنوں
صحرا میں ہوں لیکن گلِ تر ڈھونڈ رہا

جو ہے رائیگاں تری جستجو یہ مری نظر کی خطا نہیں
میں وہ گمرہِ رہِ مجاز ہوں جسے خود ہی اپنا پتہ نہیں
یہ نہیں کہ بابِ حرم سے جو طلب کیا وہ ملا نہیں
مگر اتنی بات ضرور ہے کہ اثر بقدرِ دعا نہیں

میں قریبِ مرگ سے دور ہوں کہ ترا ہی پرتوِ نور ہوں
مری عمر عمرِ دوام ہے مجھے اعتقادِ فنا نہیں

قسم ارتکابِ نگاہ کی قسم التفاتِ نگاہ کی!
وہ نہ مرتبہ کوئی پا سکا جو تری نظر سے گرا نہیں

وہی ایک سجدہ ہے کارگر جو ہو فکر و ہوش سے ماورا
وہ ہزار سجدے فضول ہیں جو رہیں لغزشِ پا نہیں

میں شکیلؔ دل کا ہوں ترجماں کہ محبتوں کا ہوں رازداں
مجھے فخر ہے مری شاعری مری زندگی سے جدا نہیں

○

نگاہِ ناز کا اک وار کر کے چھوڑ دیا
دلِ حریف کو بیدار کر کے چھوڑ دیا

ہوئی تو یوں ہوئی تردیدِ عہدِ لطف و کرم
دبی زبان سے اقرار کر کے چھوڑ دیا

چھپے کچھ ایسے کہ تا زیست پھر نہ آئے نظر
رہینِ حسرتِ دیدار کر کے چھوڑ دیا

مجھے تو قیدِ محبت عزیز تھی لیکن
کسی نے مجھ کو گرفتار کر کے چھوڑ دیا

خوشا وہ کشمکشِ ربطِ باہمی جس نے
دل و دماغ کو بیکار کر کے چھوڑ دیا

رہے نصیب کہ دنیا میں تیرے غم نے مجھے
مسرتوں کا طلبگار کر کے چھوڑ دیا
کرم کی آس میں اب کس کے در پہ جائے شکیلؔ
جب آپ ہی نے گنہگار کر کے چھوڑ دیا

○

شاید آغاز ہوا پھر کسی افسانے کا !
حکم آدم کو ہے جنت سے نکل جانے کا
ان سے کچھ کہہ تو رہا ہوں مگر اللہ نہ کرے
وہ بھی مفہوم نہ سمجھیں مرے افسانے کا
دیکھنا دیکھنا یہ حضرت واعظ ہی نہ ہوں
راستہ پوچھ رہا ہے کوئی میخانے کا
بے تعلق ترے آگے سے گزر جاتا ہوں
یہ بھی اک حسن طلب ہے ترے دیوانے کا
حشر تک گرمیِ ہنگامہ ہستی ہے شکیلؔ
سلسلہ ختم نہ ہوگا مرے افسانے کا

○

جفاؤں پہ ملال آتا تو ہوگا ! !
انہیں میرا خیال آتا تو ہوگا !
چھلکتے ہوں گے جب آنکھوں میں آنسو
وہ دورِ انفعال آتا تو ہوگا !

سرِ بزمِ تصور شکوہ بہ لب
کوئی آشفتہ حال آتا تو ہو گا

شبِ فرقت کی تنہائی میں اکثر
مسرت پر زوال آتا ہو گا !

ستم بن کے اکثر ان کے دل میں
محبت کا سوال آتا تو ہو گا

وہ پا لیتے تو ہوں گے دل پہ قابو
انہیں یہ بھی کمال آتا تو ہو گا

○

وہ دل میں رہتے ہیں دل کا نشاں نہیں معلوم
مکیں کو ڈھونڈ رہا ہوں مکاں نہیں معلوم
سکوں سا پا لینے لگا ہوں غمِ محبت میں !
کہاں گئیں مری بیتابیاں نہیں معلوم
مسرتوں کا تو سطحی مطالعہ ہے مگر !!
غمِ حیات کی گہرائیاں نہیں معلوم
فغاں نصیب کی دانستگی ارے توبہ
فغاں نصیب کدھر فغاں نہیں معلوم
چمن کی فکر بھی کہ آشیاں کی فکر کے ساتھ
کدھر کو ٹوٹ پڑیں بجلیاں نہیں معلوم

وفا شعار تہی دست آئے منزل پہ
کہاں کہاں پہ لٹا کارواں نہیں معلوم
شکیلؔ آئینہ ہے دورِ انقلاب مگر
مآلِ قسمتِ ہندوستاں نہیں معلوم

○

ذکرِ جفا کئے بغیر اب نہ قرار آئے گا
چل کے منا ہی لیں گے ہم جب کوئی روٹھ جائیگا
موج میں آئے دل کبھی نغمۂ غم جو گائے گا
عالمِ رنگ و بو تمام درد میں ڈوب جائیگا
قہر بھری نگاہ سے عکسِ حسیں نہ دیکھئے
جذبِ نگاہ کی قسم آئینہ ٹوٹ جائے گا
رہروِ عشق ہوں شکیلؔ راہنما سے مجھ کو کیا
راہنما بھی میرے ساتھ راستہ بھول جائیگا

○

میرے ہی غم کی ترجماں فطرتِ بے زباں نہ ہو
مجھ کو وہ داستاں سنا جو میری داستاں نہ ہو
عقلِ جنوں نواز سن تجھ پہ اگر گراں نہ ہو
حسن خود اپنی ذات ہے عشق جو درمیاں نہ ہو
سدرہ نگاہ ہے دور کچھ اک غبار سا
جس کی مجھے تلاش ہے یہ وہی کارواں نہ ہو

نظر اٹھا کے دیکھ خود میں سما کے دیکھ
دیدہ و دل کی آڑ میں جلوہ بے اماں نہ ہو

حسن کی اصطلاح میں جبر کا نام عشق ہے
غم ہو مگر گلہ نہ ہو دل ہو مگر زباں نہ ہو

آتشِ ضبط سے مفر یوں تو فغاں میں ہے مگر
ہائے وہ ناتواں جسے حوصلۂ فغاں نہ ہو

میری نظر میں واقعی ہے وہ بلا کا خود غرض
تو جسے غم عطا کرے اور وہ شادماں نہ ہو

شعر و ادب کو آج بھی صنفِ غزل پہ ناز ہے
سعیٔ مخالفت شکیل ڈر ہے کہ رائیگاں نہ ہو

جنوں سے گزرنے کو جی چاہتا ہے
ہنسی ضبط کرنے کو جی چاہتا ہے

جہاں عشق میں ڈوب کر رہ گئے ہیں
وہیں پھر ابھرنے کو جی چاہتا ہے

وہ ہم سے خفا ہیں ہم ان سے خفا ہیں
مگر بات کرنے کو جی چاہتا ہے

ہے مدت سے بے رنگ نقشِ محبت
کوئی رنگ بھرنے کو جی چاہتا ہے

بہ ایں خود سری و غرورِ محبت
انہیں سجدہ کرنے کو جی چاہتا ہے

قضا مژدۂ زندگی لے کے آئے
کچھ اس طرح مرنے کو جی چاہتا ہے

نظامِ دو عالم کی ہو خیر یارب!
پھر اک آہ کرنے کو جی چاہتا ہے

گناہ مکرر شکیلؔ اللہ اللہ
بگڑ کر سنورنے کو جی چاہتا ہے

وہ ہم سے دور ہوتے جا رہے ہیں
بہت مغرور ہوتے جا رہے ہیں!

بس اب ترکِ محبت کے ارادے
ہمیں منظور ہوتے جا رہے ہیں

بدلتی جا رہی ہے دل کی دنیا!
نئے دستور ہوتے جا رہے ہیں

بہت مغموم تھے جو دیدہ و دل
بہت مسرور ہوتے جا رہے ہیں

وفا پر مردنی سی چھا چلی ہے
ستم کافور ہوتے جا رہے ہیں

کبھی وہ پاس آتے جا رہے تھے
مگر اب دور ہوتے جا رہے ہیں!

فراق و ہجر کے تاریک لمحے
سراپا نور ہوتے جا رہے ہیں

شکیلؔ احساسِ گمنامی سے کہہ دو
کہ ہم مشہور ہوتے جا رہے ہیں

○

رنگ بدل کے رہ گیا گلشنِ روزگار بھی
ہم سے خفا وہ کیا ہوئے روٹھ گئی بہار بھی

نخوتِ بے اماں کے ساتھ شوخیٔ انکسار بھی
کتنا ستم ظریف ہے حُسنِ ستم شعار بھی

آ ہی گئے وہ روبرو وعدہ تو کیے ہوئے
جرم لطیف بن گئی لغزشِ اعتبار بھی

اتنی مشابہت رہی تجھ میں ترے خیال میں
دیدہ و دل نہ پا سکے فرصتِ انتظار بھی

لذتِ یاس و لطفِ غم قلبِ حزیں سے پوچھ لے
غم کدہ حیات ہے جنتِ روزگار بھی

ہیں روشیں جدا جدا ہوں بیک زباں شکیلؔ
حایل ذوقِ شعر بھی مائلِ روزگار بھی

رعنائیِ بہارِ گل و گلستاں گئی
وہ کیا گئے کہ رونقِ بزمِ جہاں گئی

ملتے ہی ان سے کشمکشِ جسم و جاں گئی
ہوش آ گیا تو وحشتِ خوابِ گراں گئی

آخر غبارِ راہِ محبت بھی چھپ گیا
کچھ دور تو نگاہ پسِ کارواں گئی

وہ آج مطمئن نظر آتے ہیں بزم میں
شاید کسی کی سعیِ فغاں رائگاں گئی

غم ہو کہ انبساط کسی کو نہیں قرار
فصلِ بہار آئی تو فصلِ خزاں گئی

اب اس فریب خوردہ تمنا کو کیا کہوں
پھر تیری انجمن سے بہت شادماں گئی

کہیئے جنابِ شیخ یہ مسجد ہے یہ میکدہ
اب آرزوئے کوثر و جنت کہاں گئی

اے کامیابِ سعیِ مداوا خطا معاف
پھر کیا رہا جو لذتِ دردِ نہاں گئی

(۰)

جلوۂ معتبر کو کیا کہیئے!
دل نہیں دل نظر کو کیا کہیئے

جو گذرے تھے ہیں آہ تیرے بغیر
ایسے شام و سحر کو کیا کہیئے

عشق نے پا لیا خود اپنا مقام
ان کی پہلی نظر کو کیا کہیئے

رخ سے اٹھا تو تھا کسی نے نقاب
قصۂ مختصر کو کیا کہیئے!

دور رہ کر بھی پاس ہے کوئی
اہتمامِ نظر کو کیا کہیئے!

تھا مقدر میں گھٹ کے مرجانا
غفلتِ چارہ گر کو کیا کہیئے

مجھ سے غافل بھی میری جانب بھی
احتیاطِ نظر کو کیا کہیئے

⊙

زندگی مدہوش ہو کر رہ گئی
ان سے آغوش ہو کر رہ گئی

میں نے جب دیکھا تو وہ برقِ جمال
دفعتاً روپوش ہو کر رہ گئی!

عشق پروانوں کو تھا وہ جل گئے
شمع کیوں خاموش ہو کر رہ گئی

دیجئے للّٰہ دامن کی ہوا
آرزو بے ہوش ہو کر رہ گئی
کھل تو جائے گی زباں ان کے حضور
اور اگر خاموش ہو کر رہ گئی

O

اُن کو شرحِ غم سنائی جائے گی
آگ پانی میں لگائی جائے گی
کھینچ کے دیکھیں گے کسی سے ایک بار
یوں بھی قسمت آزمائی جائے گی
تیری نظروں میں ہے جو تاثیرِ جذب
اب مرے نالوں میں پائی جائے گی
میری صبحِ زندگی کی اک جھلک
ڈوبتے تاروں میں پائی جائے گی
آپ ہی کہیے کہ موجِ اضطراب
آپ سے کیونکر چھپائی جائے گی
رازِ رکھ رانہِ محبت اے شکیلؔ
یہ غزل محفل میں گائی جائے گی

O

حسن پابندِ رہ و رسمِ وفا کیوں نہ رہا
ہائے پہلا سا محبت میں مزا کیوں نہ رہا

اکثر آتا ہے غمِ عشق میں وہ بھی عالم
سوچتا ہوں تری نظروں سے جدا کیوں نہ رہا

بے خودی دائرہ ہوش میں آ ہی جاتی
اور دو چار گھڑی پردہ اٹھا کیوں نہ رہا

تیری افسردہ نگاہی سے یہ شکوہ ہے کہ میں
راز بن کر ترے سینے میں چھپا کیوں نہ رہا

حسن کے حسن ندامت کی قسم کیا کہیے
دل کو اب حوصلۂ ترکِ وفا کیوں نہ رہا

دیں صدائیں درِ انساں ہی پہ انساں قلبیؔ
ہائے دنیا میں غریبوں کا خدا کیوں نہ رہا

⊙

تمہارا ستم اور ہے تکمیلِ جفا اور !
چکھنے کا مزہ اور ہے پینے کا مزہ اور

تاثیر تو تاثیر تصور سے گریزاں !!
راتوں کو ذرا مانگیے اٹھ اٹھ کے دعا اور

دونوں ہی بناتے کشش و جذب ہیں لیکن
نغموں کی صدا اور ہے نالوں کی صدا اور

اے فطرت غم زیست ہی کیا کم تھی مصیبت
نازل ہوئی اس پر یہ محبت کی بلا اور

ٹکرا کے وہیں ٹوٹ گئے شیشہ و ساغر!!
میخواروں کے جھرمٹ میں جو ساقی نے کہا اور

وہ خود نظر آتے ہیں جفاؤں پہ پشیماں!
کیا چاہیے اب تم کو شکیلؔ اس کے سوا اور

○

تغافل بھی ہے مہرباں بھی جفا بھی
یہ سب کچھ سر آنکھوں پہ لیکن خطا بھی

بہت کچھ کیا ضبط شکووں پہ لیکن
ان آنکھوں سے بارِ ندامت اٹھا بھی

میں اس جذبِ محکم کے قربان جاؤں
تجھی سے محبت ہے تیرے سوا بھی

بقید جنوں و خرد ہے وہ جلوہ
حضور نظر بھی نظر سے جدا بھی

نظر باز کر لیں خودی کو مکمل
خودی کے حجابات میں ہے خدا بھی

○

تکمیل شباب چاہتا ہوں
ہو جاؤں خراب چاہتا ہوں

سر معرکۂ الم ہے کرنا
تھوڑی سی شراب چاہتا ہوں

اپنی ہی لطافتِ نظر کی !
اس رخ پہ نقاب چاہتا ہوں

ہو خیر محبتوں کی یارب
ظالم سے جواب چاہتا ہوں

ہاں اے غمِ عشرتِ گذشتہ
اک فرصتِ خواب چاہتا ہوں

اس چھیڑ پہ زندگی تصدق
بے وجہ عتاب چاہتا ہوں

وہ مجھ سے سوال کر رہے ہیں
میں ان سے جواب چاہتا ہوں

کچھ ایسی حقیقتیں ہیں جن کو
پابندِ حجاب چاہتا ہوں

آنکھ سے آنکھ ملاتا ہے کوئی
دل کو کھینچے لئے جاتا ہے کوئی

وائے حیرت کہ بھری محفل میں
مجھ کو تنہا نظر آتا ہے کوئی

صبح کی مست فضاؤں کی قسم
روز آ آ کے جگاتا ہے کوئی

منظرِ حسنِ دو عالم کے نثار
مجھ کو آئینہ دکھاتا ہے کوئی

چاہیے خود پہ یقینِ کامل
حوصلہ کس کا بڑھاتا ہے کوئی

سب کرشماتِ تصور ہیں شکیل
ورنہ آتا ہے نہ جاتا ہے کوئی

○

مری زندگی پہ نہ مسکرا مجھے زندگی کا الم نہیں !
جسے تیرے غم سے ہو واسطہ وہ خزاں بہار سے کم نہیں

مرا کفر حاصلِ زہد ہے مرا زہد حاصلِ کفر ہے
مری بندگی وہ ہے بندگی جو رہینِ دیر و حرم نہیں

مجھے راس آئیں خدا کرے یہی اشتباہ کی ساعتیں
انہیں اعتبارِ وفا تو ہے مجھے اعتبارِ ستم نہیں

وہی کارواں وہی راستے وہی زندگی وہی مرحلے
مگر اپنے اپنے مقام پر کبھی تم نہیں کبھی ہم نہیں

نہ وہ شانِ جبرِ شباب ہے نہ وہ رنگِ قہرِ عتاب ہے
دلِ بے قرار پہ ان دنوں ہے ستم یہی کہ ستم نہیں

نہ فنا مری نہ بقا مری مجھے اے شکیلؔ نہ ڈھونڈیئے
میں کسی کا حسنِ خیال ہوں مرا کچھ وجود عدم نہیں

○

ستم کی ہر ادا اب تک تو ہم دوشِ قیامت ہے
ستم میں سادگی بھی ہو گئی شامل تو کیا ہوگا

جہنم کی طرف لے جانے والے اہلِ عصیاں کو
کسی کی شانِ رحمت ہو گئی حائل تو کیا ہوگا

سکوتِ حسن و تاثیرِ محبت اے معاذ اللہ
اگر طوفان کی جانب کھنچ گیا ساحل تو کیا ہوگا

بچھڑ کر کارواں سے خضر کی منت بجا لیکن !
جو نکلے خضر بھی گم کردہ منزل تو کیا ہوگا

غرور اتنا شکیلؔ اس شوخ کی بے اعتنائی پہ
کہیں تم کو سمجھ لے وہ کسی قابل تو کیا ہوگا

○

دیتی ہیں بہاریں انہیں پیغام سکوں کیا
معلوم نہیں فطرتِ اربابِ جنوں کیا !

اِس مشقِ تغافل کی قسم یہ تو بتا دے

تا عمر میں بیتاب یہی بیتاب رہوں کیا !

ہاں تیری خوشی میری خوشی ہے مگر اے دوست
اس لطفِ مسلسل کا بھی شکوہ نہ کروں کیا

مخلوق بھی ہستی مری خالق بھی مری ذات
اس پر بھی مجھے علم نہیں ہے کہ میں ہوں کیا

سب تیری محبت کی عنایات ہیں ورنہ
میں کیا مرا دل کیا مرے اندازِ جنوں کیا

مانا کہ بہت تلخ ہے انجامِ تمنّا
یہ غم تری خاطر بھی گوارا نہ کروں کیا

اک عالمِ عرفانِ حقیقت ہے محبت
اک منزل اور اک محبت ہے جنوں کیا

○

دل کی نظر سے اہلِ نظر دیکھتے نہیں
منزل ہے زیرِ گام مگر دیکھتے نہیں

کیا پوچھتے ہو تمکنتِ عیش کا مآل
یہ اہتمام برق و شرر دیکھتے نہیں !

طاری نگاہ و دل پہ ہے اک مرگ بیخودی
شاید وہ کچھ دنوں سے ادھر دیکھتے نہیں

دل دادگانِ سوزِ محبت خدا گواہ

بجھتے ہوئے چراغِ سحر دیکھتے نہیں

ناصح نظر شناس نہیں ہم تو کیا ملال
جو دل کو دیکھتے ہیں نظر دیکھتے نہیں

تھا دل کو سکوں عشقِ جنوں گیر سے پہلے
گردش ہی نہ تھی گردشِ تقدیر سے پہلے

اب حیثیتِ یک موجِ نفس ہو گئی معلوم
کچھ بھی تو نہ تھا آہ میں تاثیر سے پہلے

اے سایۂ دامانِ کرم ڈھونڈنے والو
انجام بھی سوچا کبھی تقصیر سے پہلے

دنیا مری تصویر پہ بے کار ہے ناقد
دنیا ہی کہاں تھی مری تصویر سے پہلے

یہ محفلِ رنداں ہے یہاں حضرتِ واعظ
عنوان بتا دیجئے تقریر سے پہلے

میری دیوانگی نہیں جاتی
رو رہا ہوں ہنسی نہیں جاتی

تیرے جلوؤں سے آشکارہ ہوں میں
چاند کی چاندنی نہیں جاتی !

ترکِ مے ہی سمجھ اسے ناصح
اتنی پی ہے کہ پی نہیں جاتی

جب سے دیکھا ہے ان کو بے پردہ
نخوتِ آگہی نہیں جاتی

شوخیٔ حسن بے اماں قسم
حسن کی سادگی نہیں جاتی

ان کی دریا دلی کو کہیئے
میری تشنہ لبی نہیں جاتی

○

مری زندگی ہے ظالم ترے غم سے آشکارا
ترا غم ہے در حقیقت مجھے زندگی سے پیارا
وہ اگر بُرا نہ مانیں تو جہانِ رنگ و بو میں
میں سکونِ دل کی خاطر کوئی ڈھونڈ لوں سہارا
مجھے تجھ سے خاص نسبت میں رہی موجِ طوفاں
جنہیں زندگی تھی پیاری انہیں مل گیا کنارا
مجھے آ گیا یقیں سا ہے یہی مری منزل
سرِ راہ جب کسی نے مجھے دفعتاً پکارا
یہ خنک خنک ہوائیں یہ جھکی جھکی گھٹائیں
وہ نظر بھی کیا نظر ہے جو سمجھ نہ لے اشارا

میں بتاؤں فرق ناصح جو ہے مجھ میں اور تجھ میں
مری زندگی تلاطم تری زندگی کنارا

مجھے گفتگو سے بڑھ کر غمِ اذنِ گفتگو ہے
وہی بات پوچھتے ہیں جو نہ کہہ سکوں دوبارا

کوئی اے شکیلؔ دیکھے یہ جنوں نہیں تو کیا ہے
کہ اُسی کے ہو گئے ہم جو نہ ہو سکا ہمارا

○

آنکھ اُن کو دیکھتی ہے نظارا کئے بغیر
پردہ میں چھپ گئے ہیں وہ پردا کئے بغیر

ہر چند دردِ عشق کا درماں نہیں مگر
بنتی نہیں ہے فکرِ مداوا کئے بغیر

زاہد سے پوچھئے غمِ دنیا کی عظمتیں
عقبیٰ! نہ مل سکی غمِ دنیا کے بغیر!

جاتے ہیں دل میں چھوڑ کے وہ جلوۂ خیال
بجھتی ہے شمع گھر میں اندھیرا کئے بغیر

اکثر تو دل گرفتگیٔ شوق کی قسم
مجھ تک وہ آگئے ہیں ارادا کئے بغیر

ہم کو بھی دیکھنا ہے کہ یہ منکرینِ عشق
کب تک رہیں گے تیری تمنا کئے بغیر!

شعر و ادب کی راہ میں ہوں گامزن شکیلؔ
اپنے مخالفین کی پرواہ کئے بغیر

نہ اب وہ آنکھوں میں برہمی ہے نہ اب وہ ماتھے پہ بل رہا ہے
وہ ہم سے خوش ہیں ہم ان سے خوش ہیں زمانہ کروٹ بدل رہا ہے

خوشی نہ غم کی نہ غم خوشی کا عجیب عالم ہے زندگی کا
چراغ افسردہ محبت نہ بجھ رہا ہے نہ جل رہا ہے

امانتِ چشمِ مست ہے یہ کہ ہوش چھا جائے بیخودی پر
نظر اٹھا کر تو دیکھ ساقی یہ کون گر کر سنبھل رہا ہے

ہزار ترکِ وفا کروں میں تیری محبت کو کیا کروں میں
دلِ حزیں تجھ سے روٹھ کر بھی اشاروں پہ چل رہا ہے

یہ کالی کالی گھٹا یہ ساون قریب زاہد الٰہی توبہ
وضو میں مصروف ہے بظاہر حقیقتاً ہاتھ مل رہا ہے۔

نہیں ہیں دیپک کے راگ سے کم مغنیوں کے گداز نغمے
جو سن رہا ہے وہ پُھک رہا ہے جو گا رہا ہے وہ جل رہا ہے

کہاں یہ ہستی کی وارداتیں کہاں یہ عیش و طرب کی باتیں
اب اور ہی نغمہ چھیڑ مطرب کہ رنگِ محفل بدل رہا ہے۔

شکیلؔ تفسیر شعر اپنی جو پوچھتے ہو تو بس اتنی
جو نالہ سینہ میں گھٹ رہا ہے وہ نغمہ بن کر نکل رہا ہے۔

غمِ حیات بھی آغوشِ حسنِ یار میں ہے
یہ وہ خزاں ہے جو ڈوبی ہوئی بہار میں ہے

اثرِ شراب کا عہدِ وفائے یار میں ہے
قدم قدم پہ لغزش سی اعتبار میں ہے

شگفتگیِ دل کا رواں کو کیا سمجھے!!
وہ اک نگاہ جو الجھی ہوئی غبار میں ہے

شکستِ حوصلۂ ضبطِ غم مجھے منظور
چلے بھی آؤ کہ دل کب سے انتظار میں ہے

یہ اضطراب کا عالم یہ شوقِ بے پایاں
شکیل آج بلاشبہ کوئے یار میں ہے

○

روح کو تڑپا رہی ہے انکی یاد
درد بن کر چھا رہی ہے انکی یاد

عشق سے گھبرا رہی ہے ان کی یاد
رکتے رکتے آ رہی ہے ان کی یاد

وہ ہنسے وہ زیرِ لب کچھ کہہ اٹھے
خواب سے دکھلا رہی ہے ان کی یاد

میں تو خودداری کا قائل ہوں مگر
کیا کروں پھر آ رہی ہے ان کی یاد

اب خیالِ ترکِ ربط و ضبط سے
خود بہ خود شرما رہی ہے ان کی یاد

○

کیوں نہ تقدیر پہ ہوتا ہو نازِ غم آج کی رات
سن رہے ہیں وہ مرا قصّۂ غم آج کی رات

اُٹھ گئی میری طرف چشمِ کرم آج کی رات
چھُپ گئے دامنِ فردا میں ستم آج کی رات

بدگمانی سی ہوئی جاتی ہے یقیں در آغوش
کھا رہے ہیں وہ محبت کی قسم آج کی رات

سوچتا ہوں یہ اسی عالمِ فردوس خیال
کیا ہوئی شدتِ احساسِ الم آج کی رات

نگہِ لطفِ مسیحا سے بھی تسکیں نہ ہوئی
درد پہلے سے زیادہ ہے نہ کم آج کی رات

○

خرد کو آزمانا چاہتا ہوں
جنوں کی رد پہ آنا چاہتا ہوں

جو تھی حاصل تری محفل سے پہلے
اسی خلوت میں جانا چاہتا ہوں

نہ ہوں جس میں نمایاں حال و ماضی
کوئی ایسا زمانہ چاہتا ہوں !
جفا و رنج لطف و شادمانی
میں سب کچھ بھول جانا چاہتا ہوں

تری خاطر جنہیں بیگانہ سمجھا
انہیں اپنا بنایا چاہتا ہوں
جنونِ منتقم ہوشیار ہو جا
انہیں ہنس کر رلانا چاہتا ہوں

نہیں خواہش مجھے کون و مکاں کی
نگاہ مخلصانہ چاہتا ہوں
محبت پر پئے ترکِ محبت
کوئی تہمت لگانا چاہتا ہوں

○

عروجِ فطرتِ آدم کو رسوا کر رہا ہوں میں
خدا کو بھول کر انسان کو سجدہ کر رہا ہوں میں
سکون و عیش کے سامان مہیا کر رہا ہوں میں
حیاتِ چند روزہ پر بھروسہ کر رہا ہوں میں
ترے پردے میں خود اپنی تمنا کر رہا ہوں میں
ارے تو یہ محبت کو بھی رسوا کر رہا ہوں میں

غرورِ بے نیازی خود نمائی و خود آرائی
جو تجھ میں ہیں وہی انداز پیدا کر رہا ہوں
بجا ترکِ وفا کی کوششیں لیکن تعجب ہے
یہ بے جا زحمتیں کیونکر گوارا کر رہا ہوں میں

صبح کا افسانہ کہہ کر شام
کھیلتا ہوں گردشِ ایام سے
ان کی یاد اُن کی تمنا ان کا غم
کٹ رہی ہے زندگی آرام سے
عشق میں آئیں گی وہ سب ہی ساعتیں
کام نکلے گا دلِ ناکام سے !
لاکھ ہیں دیوانہ و رسوا سہی ! !
پھر بھی اک نسبت ہے تیرے نام سے
صبح گلشن دیکھیے کیا گل کھلائے
کچھ ہوا بدلی ہوئی ہے شام سے
ہائے میرا ماتم تشنہ لبی !
شیشہ مل کر رو رہا ہے جام سے
بے خودی پر شاید اُن کا بس نہیں
ہوش آجاتا ہے اُن کے نام سے

ہر نفس محسوس ہوتا ہے شکیل
آ رہے ہیں نامہ و پیام سے

مسرت دور رہتی ہے تو دل کو غم نہیں ہوتا
تعجب ہوتا ہے عالم جب کوئی عالم نہیں ہوتا
مرے حسنِ یقیں میں عجز شامل ہوتا جاتا ہے
میں قربان ایسے وعدے پر جو مستحکم نہیں ہوتا
سن اے گیرائی رحمت پہ چھینٹے پھینکنے والے
تجھے معلوم ہے دریا کبھی شبنم نہیں ہوتا
ستم ہے داستانِ لغزشِ آدم کی رسوائی
کبھی محفل میں ذکرِ عظمتِ آدم نہیں ہوتا!
اگر اُن کی نظر آمادہ مہر و وفا ہوتی!
تو مجھکو شکوۂ بے مہری عالم نہیں ہوتا
وہی کیفِ نشاط آگیں وہی رعنائی پنہاں
مذاقِ عشق حسنِ یار سے کچھ کم نہیں ہوتا

بہت کچھ ہو چکی ہیں زندگی میں خامیاں پیدا
ضرورت ہے نئے سر سے ہو پھر بزمِ جہاں پیدا
تغافل در نظر پنہاں شکایت بہ زباں پیدا

یہ کیا شے ہو گئی ہے میرے انکے درمیاں پیدا
چمن میں رونقِ فصلِ بہاراں دیکھنے والے
چمن ہی کے کسی گوشے سے ہوتی ہے خزاں پیدا
تعجب ہے وہ کیونکر زندگی کو منہ دکھاتے ہیں
جو دنیا میں ہوئے جینے کو بے نام و نشاں پیدا
وہ ناکامِ محبت ہوں جسے بادِ صفتِ رسوائی
کوئی ہمدم میسّر ہے نہ کوئی رازداں پیدا

(۵۰)

جام گردش میں ہے دربند ہیں میخانوں کے
کچھ فرشتے ہیں یہاں روپ میں شیطانوں کے
شمع کی آگ میں دل جلتے ہیں پروانوں کے
حوصلے دیکھیے اِن سوختہ سامانوں کے
صرف تشہیر ہے شاید مرا افسانۂ غم
آج احباب میں انداز ہیں بیگانوں کے
لذّتِ خواب سے بیگانہ ہیں ماہ انجم
سننے والے ہیں یہ شاید مرے افسانوں کے
فصلِ گل رنگِ چمن دورِ خزاں حسنِ بہار
مختلف نام ہیں ساقی ترے پیمانوں کے
ارے مرے ناصح خوش فہم ذرا غور سے سن

دوست ناداں ہوا کرتے ہیں نادانوں کے
چھن لیا ہے جنہیں گردوں نے سمجھ کر تارے
ہیں شکیلؔ آہ یہ ٹکڑے مرے ارمانوں کے

دل غمِ جاناں سے لذّت آشنا ہونے کو ہے
کافرانہ زندگی کی ابتدا ہونے کو ہے!
خانۂ امید بے نور و ضیا ہونے کو ہے
چشمِ تر سے آخری آنسو جدا ہونے کو ہے
یہ بھی اے دل اک فریب وعدۂ فردا نہ ہو
رونہ سنتا ہوں کوئی محشر بپا ہونے کو ہے
پھر بہار دبرق کی ہیں گلکدے پہ یورشیں
پھر چمن میں عنقریب اک سانحہ ہونے کو ہے
دور ہوں لیکن بتا سکتا ہوں انکی بزم میں
کیا ہوا کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونے کو ہے
کھل رہی آنکھ اک کافر جس کی صبحدم
مے کشو مژدہ درِ میخانہ وا ہونے کو ہے
ترکِ اُلفت کو زمانہ ہو گیا لیکن شکیلؔ
آج پھر میرا اور ان کا سامنا ہونے کو ہے

مزاجِ دوست کے سانچے میں ڈھلتا جاتا ہے
قدم قدم پہ زمانہ بدلتا جاتا ہے

خلافِ مصلحت و آگہی ہیں جو راہیں
دلِ حزیں انہیں راہوں پہ چلتا جاتا ہے

وہی ہو تم۔ وہی میں ہوں۔ وہی فسانہ مگر
یہ کیا ستم ہے کہ عنواں بدلتا جاتا ہے

نہ جانے کیوں مری روداد عیشِ رفتہ میں
غمِ حیات کا پہلو نکلتا جاتا ہے

اگر نہیں کوئی در پردہ رند کے ہمراہ
تو کیا سبب ہے اگر کر سنبھلتا جاتا ہے

گمانِ ترکِ وفا ہے ترے تغافل پہ
زمانہ وقت سے پہلے بدلتا جاتا ہے

حریفِ رقصِ شرر ہے فریبِ عقل و نظر
خوشی خوشی جو یہ پروانہ جلتا جاتا ہے

میں اے شکیل زمانے کے ساتھ کیوں جاؤں
زمانہ خود ہی مرے ساتھ چلتا جاتا ہے

قطعات

جو اِک نظر کی جنبش سے دل کی بستی لُوٹ گیا !!
وہ جس سے آنکھیں چار ہوئیں اور ہاتھ سے ساغر چھوٹ گیا
دل اس کا بھی میرا بھی ہے فرق تشکیک اتنا لیکن
وہ پتھر تھا جو ثابت ہے یہ شیشہ تھا جو ٹوٹ گیا

○

وہ گرمی بزمِ عشق گئی وہ مہر و وفا کے گیت گئے
جب حوصلۂ دل پست نہ تھا ہاں ہاں وہ زمانے بیت گئے
ہم شانِ تکمیل پہ نازاں تم جورِ مسلسل پہ قائم
للہ یہ بازی رہنے دو ہم ہار گئے تم جیت گئے

○

پھر دل سرِ راہِ عشق و وفا بے جرأت و بے اسلوب گیا
اِس منزل میں ہر صاحبِ دل محجوب آیا مجذوب گیا
اُف بحرِ محبت بے پایاں وہ بحرِ محبت ہے جس میں
اِک ڈوبنے والا تیر گیا اِک تیرنے والا ڈوب گیا

○

پُرکیف بہاریں آ نہ سکیں پُرلطف نظارے ہو نہ سکے
دورِ مے رنگیں چل نہ سکا فطرت کے اشارے ہو نہ سکے

عالم بھی وہی ہے دل بھی وہی تقدیر کو لیکن کیا کہئے
ہم آپکے تھے ہم آپ کے ہیں ہاں آپ ہمارے ہو نہ سکے

○

انسان کی فطرت کیا کہئے مشکل سا فسانہ ڈھونڈ لیا
گھبرا کے جمودِ ہستی کو جینے کا بہانہ ڈھونڈ لیا
احساس محبت کیا معنی بیباکی جرأت کیا معنی !
تقصیر کے نازک پردے میں آدم نے ٹھکانہ ڈھونڈ لیا

○

نظمیں

چور

موسم سرما کی کچھ ہو چلی تھی ابتدا
شہر پہ چھائی ہوئی تھی رات کی کالی گھٹا
درمیانی حصۂ شب تھا فضا خاموش تھی
ساری خلقت کیفِ خوابِ ناز سے مدہوش تھی
یا تو پہرے دار چلاتے تھے جاگو چور چور
یا کبھی کتوں کی آوازوں سے ہو جاتا تھا شور
یا فضا میں گہ بگہ اٹھتی تھی ضعیفوں کی کھکار
ٹوٹ جاتا تھا غرض اس طرح خاموشی کا تار

ہر عمارت ہر در و دیوار ہر اک رہگذر
بن گئی تھی ہمسرِ شہرِ خموشاں سر بہ سر
پاس کی تحصیل میں بارہ کا جب گھنٹہ بجا
چودھ اپنی چارپائی سے یکایک اٹھ گیا
گھر سے باہر آکے اک جانب روانہ ہو گیا
مختصر طولِ شبِ غم کا فسانہ ہو گیا
چل دیا ہے روزگاری کو مٹانے کے لیے
لعنتِ سرمایہ داری کو مٹانے کے لیے
جا رہا تھا جیسے اِک دریا میں بیتابانہ موج
پستیاں تھیں مائل پرواز گویا تا بہ اوج
اس کے چہرے سے مسرت کی جھلک تھی آشکار
اس کی نظریں جستجوئے شوق کی آئینہ دار
بڑھ رہا تھا جوشِ تکمیلِ تمنّا دم بدم!
اٹھ رہا تھا تیز رفتاری سے اسکا ہر قدم
اک دلبرانہ ادا سے دل کو سمجھاتا ہوا
شاہرہ کو چھوڑ کر گلیوں میں کتراتا ہوا
ایک بیحد خوشنما کوٹھی میں داخل ہو گیا
کاروانِ آرزو نزدیک منزل ہو گیا
چودھ کی حالت یہاں ناقابلِ اظہار تھی۔

اِس کو ہر لحظہ خود اپنے دل کی دھڑکن بار تھی
کر رہا تھا مضطرب انساں کو انساں کا خوف
یعنی اُس رنگیں عمارت کے نگہبانوں کا خوف
لیکن اِک دھن میں اُسے سب خدشے منظور تھے
حوصلہ محفوظ تھا پھر بھی قدم معذور تھے
دائیں بائیں دیکھ کر کچھ بیٹھ جاتا تھا کبھی!
اُٹھ کے پھر اپنے کئے پر مسکراتا تھا کبھی
آخرکار آ ہی پہنچا اک کھلی کھڑکی کے پاس
اُس پہ چڑھ کر آ گیا اندر بصد خوف و ہراس
کچھ نہ پوچھ کیا وہاں جا کر نظر آیا اُسے
حسنِ خوابیدہ کا اک منظر نظر آیا اُسے
نیلے نیلے بلب کی وہ ہلکی ہلکی روشنی
جیسے اک صحنِ چمن میں چاندنی چھٹکی ہوئی
تھا یہ کمرہ اک نمونہ گوشۂ فردوس کا
جس میں صرفِ خواب تھی اک مہ جبین و مہ لقا
وہ سراپا مطلعِ انوارِ حُسنِ لاجواب
چرخ سے گویا اتر کر آ گیا تھا ماہتاب
وہ مکمل حُسن از سرتا بہ پا مستِ شباب
وہ مجسم برق سرکائے ہوئے رخ سے نقاب

اس کی صورت تھی مکمل ایک صورت نور کی
دیکھنے والے کے حق میں جیسے بجلی طور کی
مٹ گئیں ساری اُمیدیں اک ہزیمت غرور کی
انقلاب عزم نے دنیا بدل دی چور کی
دستِ بے قابو سے اب دامانِ ہمت چھٹ گیا
لوٹنے والا خود اک ظالم کے ہاتھوں لٹ گیا
حاصلِ ذوقِ نظر تھیں حیرتیں ہی حیرتیں
اک تماشہ بنکے دل پر چھا گئی تھیں غیرتیں
اِس طرف غرقِ ندامت دیدۂ پرآب تھا
اُس طرف اک پیکرِ معصوم محوِ خواب تھا
اس طرف محشر بداماں عشق کی پرچھائیاں
اُس طرف جنّت بداماں حُسن کی رعنائیاں
اِس طرف اِک آن میں ہر حوصلہ گم ہو گیا
اس طرف اک فتنہ گر فتنے جگا کر سو گیا
بیخودی شوق میں پڑنے لگے اُلٹے قدم
آگیا کھڑکی کے باہر چھوڑ کر جاہ و حشم
کیا چُرانے کو گیا تھا کیا چرا کر لے چلا
دیدۂ حیرت میں اک جلوہ چُرا کر لے چلا
اس کی ساری دولتوں سے بڑھ کے دولت مل گئی
مال و زر لینے کو آیا تھا محبت مل گئی ! !

تصادم

وہ صد رشکِ جنت وگلزار دہلی
وہ مجموعۂ حُسن و انوار دہلی
وہ دہلی جو فردوس ہندوستاں ہے
وہ دہلی کہ جس کی زمیں آسماں ہے
وہی جس نے دیکھے ہیں لاکھوں زمانے
سنے ہیں بہت انقلابی فسانے
جہاں دفن ہیں سینکڑوں تاج والے
وہ روزہ حکومت کی معراج والے
جہاں شمع جلتی ہے دھیمی سی ضو کی
جہاں جلوہ ریزی ہے تہذیب نو کی
وہیں کی یہ دل دوز روداد سنیئے
بیانِ الم ذکرِ بیداد سنیئے!
شفق سہ پہر کی ٹھکانے لگی تھی!
سیاہی فضاؤں پہ چھانے لگی تھی!
دکھانے کو تھا جلوہ حسن مکمل
اٹھانے کو تھا رُخ سے مہتاب آنچل
فلک پر ستارے چمکنے لگے تھے

محبت کے مارے بہکنے لگے تھے
ادھر نور تھا آسمان کی جبیں پر
اِدھر ہر طرف دلکشی تھی زمیں پر!
وہ بازار کی خوشنما جگمگاہٹ
وہ گردش آشنا چلنے پھرنے کی آہٹ
سرِ راہ وہ بجلیوں کی بہاریں
دکانات کی وہ دورویہ قطاریں
یہ منظر بھی تھا کس قدر کیف ساماں
خدا کی خدائی تھی جنت بداماں
سڑک پر کوئی رہرو کوئے جاناں!
چلا جا رہا تھا خراماں خراماں
کسی خاص عالم میں کھویا ہوا سا
خیالوں کے دریا میں ڈوبا ہوا سا
کشادہ جبیں پہ وہ آثارِ عظمت
نظر دے رہی تھی نویدِ محبت
اِدھر راہ پر نوجواں جا رہا تھا
اُدھر ایک موٹر چلا آ رہا تھا
یہ گاڑی نہ تھی جو چلی آ رہی تھی
حقیقت میں جنت کھنچی آ رہی تھی

کوئی کیا بتائے کہ جنت میں کیا تھا
وہی تھا جو تک نہ دیکھا ہُوا تھا
وُہ حسنِ مکمل وہ برقِ مجسم
وہ جس کے تصور سے بھی دل ہو غم
وہ اِک پیکرِ سادگی اللہ اللہ
وہ نازک لبوں پر ہنسی اللہ اللہ
سراپا محبّت سراپا جوانی!
ستم اُس پہ ساڑی کا رنگ آسمانی
وہ رہ رہ کے آنچل اٹھانے کا عالم
وہ ہنس ہنس کے موٹر چلانے کا عالم
یہ عالم بظاہر فریبِ نظر تھا
کہ بس ایک لمحے میں رنگِ دگر تھا
نہ بشاشِ چہرہ نہ لب پر تبسم
سکوت آشنا تھی ادائے تکلّم
گماں بار یاں دل کو برماگئی تھیں
نگاہوں پہ تاریکیاں چھاگئی تھیں
ہوئے صنفِ نازک کے ہوش و خرد گم
زباں نے پکارا تصادم تصادم
یہ منظر بھی تھا کس قدر دہشت افزا
کہ موٹر سرِ راہ ٹھہرا ہوا تھا

دگرگوں تھی حالت تماشائیوں کی
خبر تھی انہیں دل کی گہرائیوں کی
ادھر نوجواں خوں بداماں پڑا تھا
ادھر ایک معصوم قاتل کھڑا تھا
اِدھر روح عزم سفر کر چکی تھی !
ادھر دل پہ دہشت اثر کر چکی تھی
اِدھر موت خود زندگی اصل میں تھی
اُدھر زندگی موت کی شکل میں تھی
غرض کھل گئی اصلیت حادثے کی
ہوئی مرنے والے کی جامہ تلاشی
پس جیب قاتل کی تصویر نکلی !
علاوہ ازیں ایک تحریر نکلی
تسلی ہوئی جان میں جان آئی
جو پرچے پہ لکھی عبارت یہ پائی
جفائے مسلسل سے چکرا گیا تھا !
میں خود جا کے موٹر سے ٹکرا گیا تھا

نمائش علی گڑھ

شفیق نزع میں لے رہی تھی سنبھالا
اندھیرے کا تم کھا رہا تھا اُجالا
ستاروں کے رُخ سے نقاب اٹھ رہی تھی
فضاؤں سے موجِ شباب اٹھ رہی تھی
مئے زندگی جامِ مے نوش میں تھی
نمائش علی گڑھ کے آغوش میں تھی
وہ کیفِ مسرت وہ لمحات رنگیں
وہ احساسِ مستی وہ جذبات رنگیں
وہ پر کیف عالم وہ دلکش نظارے
وہ جلووں کے بہتے ہوئے خشک دھارے
وہ تمکین آغازِ شب اللہ اللہ
نمائش کی وہ تاب و تب اللہ اللہ
وہ بابِ مزمّل پہ جشنِ چراغاں
فلک پر ہوں جیسے ستارے درخشاں
فضاؤں میں گونجے ہوئے وہ ترانے
وہ جاں بخش نغمے وہ پُر لطف گانے
وہ ہر سمت حسن و لطافت کی جانیں

وہ آراستہ صاف ستھری دوکانیں
کہیں یہ ہے نظارہ کاریگری کا!
کہیں گرم ہوٹل ہے "پیشاوری" کا
بقدرِ سکوں وہ دلوں کا بہلنا
امیروں غریبوں کا یکجا ٹہلنا
نمایاں ہنا یاں وہ یارانِ کالج
وہ عشرت بداماں جوانانِ کالج
کوئی تیز دستی و چستی پہ نازاں
کوئی صحت و تندرستی پہ نازاں
کوئی حسن کی جلوہ ریزی پہ مائل
کوئی شوخ نظروں کی تیزی پہ مائل
ادھر چشمِ حیران کی نظارہ سازی
اُدھر حسن والوں کی جلوہ طرازی
خراماں خراماں وہ ہمجولیوں میں
نکلتی ہوئی مختلف ٹولیوں میں
نقابوں میں وہ بے نقابی کا عالم
جو لاتا ہے دل پہ خرابی کا عالم
کسی کا وہ چہرے سے آنچل اٹھانا
کسی کا کسی سے نگاہیں چُرانا
کبھی یک بیک چلتے چلتے ٹھہرنا!

نگاہوں سے جلووؤں کی اصلاح کرنا
کبھی اک توجہ دو کانوں کی جانب
کبھی اک نظر نوجوانوں کی جانب
تماشا غرض کامیاب آ رہا تھا
نمائش پہ گویا شباب آ رہا تھا
ادھر ہم بھی بزمِ تخیل سجا کر
کھڑے ہو گئے ایک دوکاں پہ آ کر
نظر مل گئی دفعتاً اک نظر سے
دھڑکنے لگا دل محبت کے ڈر سے
اِدھر تو نظر سے جبیں سائیاں تھیں
اُدھر سے بھی کچھ ہمّت افزائیاں تھیں
خلش کوئی دونوں کو تڑپا گئی تھی
محبّت کی منزل قریب آ گئی تھی
خیالات میں اس طرف اِک تلاطم
لبوں پر ادھر ہلکا ہلکا تبسم !
نگاہوں سے عہد و فا ہو رہا تھا
اشاروں میں مطلب ادا ہو رہا تھا
ادھر عشق کے بام و در سج رہے تھے
گھڑی میں جو دیکھا تو نو بج رہے تھے
یکایک جواں کچھ میرے پاس آئے

جو تھے آئینوں پہ بلّے لگاتے
کہا اتنی تکلیف فرمائیے گا ! !
نمائش سے تشریف لے جائیے گا
غرض چل دیئے گھر کو مجبور ہو کر
محبت کے جلووں سے معمور ہو کر
ہوئی جا رہی تھی عجب حالتِ دل
کوئی چھین لے جیسے پڑھتے میں ناول
ہم اس طرح بابِ مزّیل سے نکلے
لہو جیسے ٹوٹے ہوئے دل سے نکلے
بہر حال اب بھی وہی ہے نمائش
نویدِ طرب دے رہی ہے نمائش
وہی جشن ہے اور وہی زندگی ہے
مگر جیسے ہر شئے میں کوئی کمی ہے
ارے او نگاہوں پہ چھا جانے والی
مرے دل کو رہ رہ کے یاد آنے والی
تری طرح جلوہ نما ہے نمائش
ترے حسن کا آئینہ ہے نمائش
نمائش میں تیری لطافت ہے پنہاں
نمائش میں تیری نزاکت ہے پنہاں
نگاہوں کو ناحق تیری جستجو ہے
یقیناً نمائش کے پردے میں تو ہے

زلزلہ

ایک شب ہلکی سی جنبش مجھے محسوس ہوئی
میں یہ سمجھا مرے شانوں کو ہلاتا ہے کوئی
آنکھ اٹھائی تو دیکھا کہ زمیں ہلتی ہے
جس جگہ شئے کوئی رکھی ہے وہیں ہلتی ہے
صحن و دیوار کو جنبش ہے تو در ہلتے ہیں
باہر آیا تو دیکھا کہ شجر ہلتے ہیں
کوئی شے جنبشِ پیہم سے نہیں ہے محروم
ایک طاقت ہے پسِ پردہ مگر نامعلوم
چند لمحے بھی یہ نیرنگیٔ عالم نہ رہی
زلزلہ ختم ہوا جنبشِ پیہم نہ رہی!
حیرتِ دید سے انگشت بدنداں تھا میں
شاہد جلوۂ قہاریٔ یزداں تھا میں!
دفعتاً ایک صدا آہ و فغاں کی آئی
میرے اللہ گھڑی کس پہ مصیبت لائی!
گل کیا زلزلہ قہر نے کس گھر کا چراغ
کس پہ ڈھایا ہے ستم کس کو دیا ہجر کا داغ
جا کے نزدیک یہ نظارہ حیراں دیکھا
اک حسینہ کو بصد حال پریشاں دیکھا!

زلزلہ

ایک شب ہلکی سی جنبش مجھے محسوس ہوئی
میں یہ سمجھا مرے شانوں کو ہلاتا ہے کوئی
آنکھ اٹھائی تو دیکھا کہ زمیں ہلتی ہے
جس جگہ شئے کوئی رکھی ہے وہیں ہلتی ہے
صحن و دیوار کو جنبش ہے تو در ہلتے ہیں
باہر آیا تو دیکھا کہ شجر ہلتے ہیں
کوئی شے جنبشِ پیہم سے نہیں ہے محروم
ایک طاقت ہے پسِ پردہ مگر نامعلوم
چند لمحے بھی یہ نیرنگیٔ عالم نہ رہی
زلزلہ ختم ہوا جنبشِ پیہم نہ رہی!
حیرتِ دید سے انگشت بدنداں تھا میں
شاہدِ جلوۂ قہاریِ یزداں تھا میں!
دفعتاً ایک صدا آہ و فغاں کی آئی
میرے اللہ گھڑی کس پہ مصیبت لائی!
گل کیا زلزلہ قہر نے کس گھر کا چراغ
کس پہ ڈھایا ہے ستم کس کو دیا ہجر کا داغ
جا کے نزدیک یہ نظارہ حیراں دیکھا
اک حسینہ کو بصد حال پریشاں دیکھا!

بیضوی شکل میں تھے حُسن کے جلوے پنہاں
آنکھ میں سحر بھرا تھا مگر آنسو تھے رواں
میں نے گھبرا کے یہ پوچھا کہ یہ حالت کیوں ہے
تیری ہستی ہدفِ رنج و مصیبت کیوں ہے
بولی اے شاعرِ رنگین طبیعت مت پوچھ
روز و شب دل پہ گذرتی ہے قیامت مت پوچھ
لوگ دُنیا کے تری مجھ کو زمیں کہتے ہیں
اہلِ زر مجھ کو محبت میں حسیں کہتے ہیں
میں انہیں حسن پرستوں کی ہوں تڑپائی ہوئی
تجھ سے کہنے کو یہ راز آئی ہوں گھبرائی ہوئی
زر پرستوں سے ہیں یہ دل مری دنیا کے غریب
ہیں گرفتارِ سلاسل مری دنیا کے غریب
مجھ سے یہ تازہ بلائیں نہیں دیکھی جاتیں
ظالموں کی یہ جفائیں نہیں دیکھی جائیں
چاہتی ہوں مرے عشّاق میں کچھ فرق نہ ہو
مفت میں کشتیٔ احساس و وفا غرق نہ ہو
ایک وہ جس کو میسّر ہوں عمارات و نقیب
ایک وہ جس کو نہ ہو پھوس کا چھپّر بھی نصیب
صاحبِ دولت و ذی مرتبہ و زردار ہو ایک
بے نوا عمر دہ و بیکس و لاچار ہو ایک

ایک مختارہ ہوا درنگِ جہاں بانی کا
اک مرقع ہو غم و رنج و پریشانی کا
سخت نفرت ہے مجھے اپنے پرستاروں سے
چھینے لیتے ہیں مجھے میرے طلبگاروں سے
چیرہ دستی کا مٹا دیتی ہیں سب جاہ و جلال
حیف صد حیف کہ حائل ہے غریبوں کا خیال
یہ نہ ہوتے تو دکھاتی میں قیامت کا سماں
یہ نہ ہوتے تو مٹاتی میں غرورِ انسان
ایک کروٹ میں بدل دیتی نظامِ عالم
اک اشارے میں ہی ہو جاتی یہ محفل برہم
اک تبسّم سے جہاں برق بداماں ہوتا
نہ یہ آرائشیں ہوتیں نہ یہ ساماں ہوتا
ہر ادا پوچھتی سرمایہ پرستوں کے مزاج
کچھ تو فرمایئے حضرت کہ ہیں کس حال میں آج
لکھ پتی سنکھ پتی بے سر و ساماں ہوتے
جان بچ جائے بس اس بات کے خواہاں ہوتے
سر بسر خاک نظر آتے قصور و ایوان
اشکِ خونیں سے مرے اور بھی اٹھتے طوفاں
مرے آغوش میں سب اہلِ ستم آجاتے
میرے برتاؤ سے بس ناک میں دم آجاتے

بعض کے منہ غم و آلام سے کالے کرتی
بعض کو موت کی دیوی کے حوالے کرتی
خونِ زردار ہی مزدور کی مزدوری ہے
میں جو خاموش ہوں یہ باعثِ مجبوری ہے
میرے آغوش میں جابر بھی ہیں مزدور بھی ہیں
میرے دامن ہی سے وابستہ یہ مزدور بھی ہیں
ضبط کرتی ہوں جو غم آتا ہے سہہ جاتی ہوں
جوش آتا ہے مگر کانپ کے رہ جاتی ہوں

○

شبِ رنگین

فضاؤں پہ خوشی چھائی ہوئی تھی
محبت جوش میں آتی ہوئی تھی
نظر پیغامِ عشرت دے رہی تھی
تمنا کروٹیں سی لے رہی تھی
نعیمؔ کی کھلی جاتی تھیں راہیں
پریشاں تھیں ستاروں کی نگاہیں
سکوتِ شب طلسمِ رنگ و لبو تھا
ترنم ہی ترنم چار سو تھا

چھڑا جاتا تھا ہر نایاب نغمہ
بہا جاتا تھا خود بیتاب نغمہ
بڑی دلکش صدائیں آ رہی تھیں
مسلسل روح کو تڑپا رہی تھیں
اُمیدوں پر مسلط تھی جوانی
اُمنگوں پر تھی غالب ناتوانی
تجلّی زیرِ مستی کے اثر سے
اٹھا جاتا تھا ہر پردہ نظر سے
وہ ہر نظارہ بیتابِ محبّت!
وہ دستِ دل میں مضرابِ محبت
وہ کیفیات سے معمور ہستی
الٰہی جنسِ لذت اتنی سستی
معطر تھی فضائے شادمانی
نمایاں تھا نشاطِ کامرانی!
ہر اک ذرہ سے عُریاں تھی جوانی
چھلکتی تھی شرابِ ارغوانی
حصولِ مدعا سے شاد تھا میں
تمام افکار سے آزاد تھا میں
مرا دل ہمسرِ گنگ و جمن تھا
مرے سینے میں دریا موجزن تھا

شکیبائی کا دامن چھٹ رہا تھا
محبت کا خزانہ لٹ رہا تھا
خیالِ ہم نشیں پیشِ نظر تھا
مرا دل ماسوا سے بے خبر تھا!
وہ اک شوقِ فراواں دونوں جانب
وہ اک احساسِ پنہاں دونوں جانب
اُدھر ہر ہر نفس وقفِ مدعا تھا
اِدھر بابِ قبولیت کھلا تھا
اِدھر پاکیزہ جذباتِ محبت
اُدھر بیہم مداراتِ محبّت
اِدھر اِک خودفراموشی کا عالم
اُدھر ہونٹوں پہ خاموشی کا عالم
اِدھر اک رُعب سا چھایا ہُوا تھا
اُدھر چہرے پہ رنگ آیا ہُوا تھا
رُخِ پرنور پر وہ جگمگاہٹ
لبوں پہ ہلکی ہلکی مسکراہٹ
تبسم اور قیامت کا تبسم
وہ معصومانہ اندازِ تکلّم!
وہ سامانِ سکونِ زندگانی
وہ اظہارِ کمالِ مہربانی

سراپا پیکرِ خلق و محبت
مجسّم سادگی و نیک خصلت
ادھر وہ حاصلِ حسنِ دو عالم
اِدہر میں کامیابِ سعیٔ پیہم
مسلّط مجھ پہ مدہوشی تھی لیکن
لبوں پہ مہرِ خاموشی تھی لیکن
خدا جانے میں کیا کیا کہہ رہا تھا
کوئی لفظوں کا دریا بہہ رہا تھا
فلک پہ چاند تارے سن رہے تھے
سکوتِ شب کے مارے سن رہے تھے
نیاز و ناز کا دل سن رہا تھا
چراغِ صبحِ محفل سن رہا تھا
اذانوں کی صدائیں آ رہی تھیں
دُعائیں دل سے مانگی جا رہی تھیں
عبادت میں خلل نہ آئے یا رب!
قیامت تک رہے باقی یہی شب
مگر یہ التجائیں کون سنتا
غریبوں کی دعائیں کون سنتا
نمودِ مہرِ عالمتاب تو یہ
ہُوا منظر کا منظر خواب تو یہ

وہی رودادِ شب یاد آ رہی ہے
جو باقی تھی وہ اب یاد آ رہی ہے

کہاں ہے آجا

راحتِ بندۂ بے دام کہاں ہے آجا
پیکرِ حسن سرِ بام کہاں ہے آجا !
رونقِ بزمِ مے و جام کہاں ہے آجا
زینتِ جلوہ گہِ عام کہاں ہے آجا
اے امیدِ دلِ ناکام کہاں ہے آجا

تیری فرحت خلل اندازِ سکونِ پیہم ! !
تیری فرقت دلِ مایوس پہ اک طرفہ ستم
تیری فرقت سببِ کاوش و بیداریٔ غم
تیری فرقت سے ہے شیرازۂ ہستی برہم
تو نہیں ہے تو پھر آرام کہاں ہے آجا

شاہدِ دورِ سیہ بختی و شب تار ہوں میں
خوگرِ نالہ بہ دل لذت کشِ آزار ہوں میں
دامِ طوفانِ حوادث میں گرفتار ہوں میں
روز و شب منتظرِ دیدِ رخِ یار ہوں میں

دل دقفِ غم آلام ہے آ جا
شعلہ بہ کف ہے گلِ داغِ جگر تیرے بغیر
خار پہ دوش ہے دامانِ نظر تیرے بغیر !!
خوں فشاں ہے شبِ غم دیدۂ تر تیرے بغیر
چین آتا ہے نہیں شام و سحر تیرے بغیر !
منتظر ہوں سحر و شام کہاں ہے آ جا
دورِ تاریکیِ غم سے شبِ تنہائی سے
دم بدم جوششِ جنوں کی ستم آرائی سے
کعبہ و دیر و کلیسا کی جبیں سائی سے
خوفِ مجبوری و ناکامی و رسوائی سے
عشق ہے لرزہ بر اندام کہاں ہے آ جا
منتشر ہونے لگی انجمنِ نازِ حیات !
بن گیا خواب سراک منظرِ آغازِ حیات
دم شکستہ سا نظر آنے لگا سازِ حیات
اب کوئی دم میں ہُوا جاتا ہے دارازِ حیات
آ گیا نزع کا ہنگام کہاں ہے آ جا

مجھے بھول جا

میرے ساقیا مجھے بھول جا
میرے دلربا مجھے بھول جا

نہ وہ دل رہا نہ وہ جی رہا
نہ وہ دورِ عیش و خوشی رہا
نہ وہ ربط و ضبطِ دلی رہا
نہ وہ اوجِ تشنہ لبی رہا
نہ وہ ذوقِ بادہ کشی رہا
نہ وہ دل نشتہِ شیشہ گری رہا
میں الم نواز ہوں آج کل
میں شکستہ ساز ہوں آج کل
میں سراپا راز ہوں آج کل
مجھے اب خیال میں بھی نہ لا
مجھے بھول جا مجھے بھول جا

○

مجھے زندگی سے عزیز تر
فقط ایک تیری ہی ذات تھی
تری ہر نگاہ مرے لئے
سببِ سکونِ حیات تھی!
مری داستانِ وفا کبھی
تری شرحِ حُسنِ صفات تھی
مگر اب تو رنگ ہی اور ہے
نہ وہ طرز ہے نہ طور ہے
یہ ستم بھی قابلِ غور ہے

تجھے اپنے حسن کا واسطہ
مجھے بھول جا، مجھے بھول جا

⊙

قسم اضطراب حیات کی
مجھے خامشی میں قرار ہے
مرے صحن گلشن عشق میں!
نہ خزاں ہے اب نہ بہار ہے
یہی دل تھا رونقِ انجمن!
یہی دل چراغ مزار ہے
مجھے اب سکونِ دگر نہ دے
مجھے اب نویدِ سحر نہ دے!
مجھے اب فریب نظر نہ دے
نہ ہو وہم عشق میں مبتلا!!
مجھے بھول جا بھول جا

⊙

رقاصۂ حیات سے

پھولوں پہ رقص کر نہ بہاروں پہ رقص کر
گلزارِ ہست و بود میں خاروں پہ رقص کر
ہو کر جمودِ گلشن جنت سے بے نیاز!!
دوزخ کے بے پناہ شراروں پہ رقص کر
شمعِ سحر فسونِ تبسم حیاتِ گل!!

فطرت کے اِن عجیب نظاروں پہ رقص کر
تنظیمِ کائنات جنوں کی ہنسی اُڑا !
اُجڑے ہوئے چمن کی بہاروں پہ رقص کر
سہمی ہوئی صدائے دلِ ناتواں نہ سُن
بہکی ہوئی نظر کے اشاروں پہ رقص کر
جو مر کے جی رہے ہیں تجھے ان سے کیا غرض
تو اپنے عاشقوں کے مزاروں پہ رقص کر
ہر ہر ادا ہو رُوح کی گہرائیوں میں گُم !
یوں رنگ و بو کی راہگزاروں پہ رقص کر
تو اپنی دُھن میں مست ہے تجھ کو بتائے کون
تیری زمیں فلک ہے ستاروں پہ رقص کر
اس طرح رقص کر کہ سراپا اثر ہو تو
کوئی نظر اٹھائے تو پیشِ نظر ہو تو

محبت

بزمِ ہستی میں مسرت کے سزاوار تھے ہم
زینتِ انجمن و رونقِ دربار تھے ہم
محرمِ سرِ حرم گنجینۂ اسرار تھے ہم
آہ وہ دن کہ محبت کے پرستار تھے ہم
زیست کو زیست سمجھ کر ہی جیا کرتے تھے
عشرت و کیف کی تجدید کیا کرتے تھے

روز ازل مست نگاہوں سے پیا کرتے تھے
دُور از تفرقۂ زاہد و میخوار تھے ہم

انکی محفل تھی جو بہشت تو پوچھے جنت اپنی
ان کی آشفتہ مزاجی تھی قیامت اپنی
ان کی یاد اُن کا تصوّر تھی عبادت اپنی

رحمتیں جن پہ تصدق وہ گنہگار تھے ہم

دل کو نیرنگیٔ عالم سے علاقہ ہی نہ تھا
انقلابات کا احساس گوارا ہی نہ تھا!
ان کے سودے کے علاوہ کوئی سودا ہی نہ تھا

جنسِ الطافِ محبّت کے خریدار تھے ہم

اپنا افسانہ تھا دنیا کے فسانے سے جُدا
نیز ادراک تھا ہستی کے نشانے سے جُدا
تھی روش اپنی مگر سارے زمانے سے جُدا

دل سے اس رنگِ جدائی کے طرفدار تھے ہم

کیا خبر تھی کہ دُکھے دل کی صدا بھی کچھ ہے
کیا خبر تھی کہ زمانے کی ہوا بھی کچھ ہے
کیا خبر تھی کہ محبت کے سوا بھی کچھ ہے

اس قدر ان کی محبت میں گرفتار تھے ہم

دل زمینوں کا خبر کیا تھی دھڑک اٹھے گا
شجرِ دہر کا ہر پتہ کھڑک اٹھے گا!
آسمان آگ کے شعلوں سے بھڑک اٹھے گا

جادۂ شوق میں بیگانۂ رفتار تھے ہم

کس کو تھا علم کہ دولت سے ہے پستی کو فروغ
تلخیٔ بادۂ عشرت سے ہے مستی کو فروغ
ہم تو سمجھے تھے محبت سے ہے ہستی کو فروغ
مرکزِ دل پہ رواں صورتِ پرکار تھے ہم

کیا خبر تھی کہ وہ یوں رنگ بدل جائیں گے
سرحدِ مہر و مروت سے نکل جائیں گے
صورتِ امن و اماں عہد بھی ٹل جائیں گے
سر بہ سر معتقدِ وعدہ و اقرار تھے ہم

گلشنِ دہر کی خوش رنگ فضاؤں کی قسم
دلبرِ پیکار کی پُر ہول صداؤں کی قسم
حسنِ ظالم کی جنوں کوش جفاؤں کی قسم
آج تک بے خبرِ عالمِ اظہار تھے ہم

گو اٹھانا ہی پڑا ہجر میں داغِ ہستی
لیکن اونچا ہی رہا یوں بھی دماغِ ہستی
پا گئے ان کی بدولت ہی سراغِ ہستی
جتنے مجبور تھے ہم اتنے ہی مختار تھے ہم

بزمِ ہستی میں پتہ دل کا محبت نے دیا
مژدہ نزدیکیٔ منزل کا محبت نے دیا
درسِ آزادیٔ کامل کا محبت نے دیا

یوں بھی آزادیٔ کامل کے طلبگار تھے ہم

ہچکیاں لینے لگی اب تو غلامی پیہم
کھا رہی ہے مگر تازہ جوانی کی قسم
یہ محبت کی نوازش ہے محبت کا کرم

جیسے آغازِ محبت ہی سے بیدار تھے ہم

○

اُن کی تصویر دیکھ کر

آج کیا ہے جو ملا شوخ نگاہوں کو قرار
کیا ہوا حسن کی معصوم حیاؤں کا وقار

آج کیوں تم مجھے دیکھے ہی چلے جاتے ہو

دفعتاً ٹوٹ گیا کس لئے بجتا ہوا ساز
کیا ہوئے نغمے وہ اب کیوں نہیں آتی آواز

آج ہونٹوں پہ خموشی ہی خموشی کیوں ہے

خوب تدبیر نکالی ہے ستانے کی مجھے
آتشِ سوزِ محبت میں جلانے کی مجھے

بھولے بھالے ہو تو دیدو مرے شکووں کا جواب

تم نے کیا پیشتر اپنا نہ بنایا مجھ کو
پھر یکایک نہ نگاہوں سے گرایا مجھ کو

یہ اگر جھوٹ ہے تو منہ سے کہو چپ کیوں ہو؟

تم نے کیا دل کو مرے درسِ محبت نہ دیا
اور پھر جان کے داغِ غمِ فرقت نہ دیا

یہ اگر جھوٹ ہے تو منہ سے کہو چپ کیوں ہو!

تم نے کیا مجھ سے کسی قسم کا وعدہ نہ کیا
ایسا وعدہ جو کبھی بھول کے ایفا نہ کیا

یہ اگر جھوٹ ہے تو منہ سے کہو چپ کیوں ہو

دے سکے تم نہ مرے ایک بھی شکوے کا جواب
اب میں سمجھا کہ ہے کیا راز بدامانِ حجاب

واقعی تم کو ندامت ہے جو خاموش ہو تم
یا کسی پردۂ تصویر میں روپوش ہو تم!

یاد آیا ہے

آغازِ محبت میں اکثر وہ دور بھی آیا کرتے تھے
میں ان میں سمایا کرتا تھا وہ مجھ میں سمایا کرتے تھے

جب جور و ستم کے چہرے پر تھا لطف و عنایت کا غازہ
جب دل کو بھی کرنا مشکل تھا جذباتِ دروں کا اندازہ
جب پھول سے نازک دل پہ مرے تھا زخمِ نظر تازہ تازہ
اک بار تبسم فرما کر سو بار ہنسایا کرتے تھے

احساس کی شمعیں جلتی تھیں جب ناز و ادا کی محفل میں
رکھا تھا قدم مدہوشی نے جب ہوش و خرد کی منزل میں
جب فتح محبت پر اپنی مغرور تھے ہم دل ہی دل میں
وہ اور نظر کی شہ دے کر مغرور بنایا کرتے تھے

ہیں یاد ابھی تک دل کو مرے ان کی وہ عنایاتِ پیہم

ہر لمحہ وہ احساسات وفا ہر لحظہ وہ صدا انداز رم
وہ عشق و تمنا کی دنیا وہ حسن و محبت کا عالم
جھکتی تھی نظر سجدے کیلئے جب سامنے آیا کرتے تھے

درپیش ہو دردِ ہجر کبھی جب غم کا تقاضا ہوتا تھا!
اس دورِ جدائی میں کس کو پھر صبر کا یارا ہوتا تھا
یوں گرمئ ربط باہم سے فرقت کا مداوا ہوتا تھا
ملنے کو خود آیا کرتے تھے یا مجھ کو بلایا کرتے تھے

انجم کی جھلک اختر کی ضیا راتوں کو منور کرتی تھی
پھولوں کی مہک غنچوں کی ادا ہستی کو معطر کرتی تھی
سازوں کی جھنک نغموں کی صدا عالم کو مسحور کرتی تھی
نغمات حسیں سے ہم دونوں فطرت کو جگایا کرتے تھے

بھولوں گا نہ بھولا ہوں اب تک رخصت کا غم آگیں افسانا
منہ پھیر کے میری جانب سے آنکھوں میں آنسو بھر لانا
پھر خود ہی دبی آواز سے کچھ تسکیں کے حیلے فرمانا
سو حشر بھی ہوں آ بن پہ تو بات وہ حشر اٹھایا کرتے تھے

بیتاب جدائی میں انکی جب اپنی طبیعت ہوتی تھی
کچھ انکے خطوطِ رنگیں سے تسکینِ محبت ہوتی تھی!
آنکھوں کو دلاسے دے دیکر پوشیدہ وہ صورت ہوتی تھی
تصویر کو فرطِ شوق سے باہم سینے سے لگایا کرتے تھے

ہوتی تھیں ملاقاتیں ان سے جاڑوں کی ٹھٹھری راتوں میں
وہ بات کہاں فصلِ گل میں وہ لطف کہاں برساتوں میں

اک بار نہیں ہر بار بسحر ہو جاتی تھی باتوں باتوں میں
تصدیق محبت کا عالم دنیا کو دکھایا کرتے تھے

ہے یادِ حضورِ داور میں شکر ادا کرنا باہم
نظروں سے ملا کر نظروں کو وہ عہدِ وفا کرنا باہم
تکمیل محبت کی خاطر اُٹھ اُٹھ کے دعا کرنا باہم
تاثیر بلائیں لیتی تھی جب ہاتھ اٹھایا کرتے تھے

ہاں اب یہ حقیقت ہی نہ رہی ہاں اب یہ فسانہ ہی نہ رہا
ہر چند وہی ہیں ہم دونوں لیکن وہ زمانہ ہی نہ رہا

ختم شد

دُور کوئی گائے

شکیل بدایونی

ہائے یہ عالم کہ اب ترکِ وفا کے بعد بھی
دل میں ہوک اٹھی نہ اٹھی لب پہ نام آ ہی گیا
لذّتِ رنگینیٔ اشعار کیا کہیے شکیلؔ!
کچھ نہ کچھ احباب کو لطفِ کلام آ ہی گیا

○

مری زندگی پہ نہ مسکرا مجھے زندگی کا الم نہیں
جسے تیرے غم سے ہو واسطہ وہ خزاں بہار سے کم نہیں

مرا کفر حاصلِ زہد ہے مرا زہد حاصلِ کفر ہے
مری بندگی ہے وہ بندگی جو رہینِ دیر و حرم نہیں

مجھے راس آئیں خدا کرے یہی اشتباہ کی ساعتیں
انہیں اعتبارِ وفا تو ہے مجھے اعتبارِ ستم نہیں

وہی کارواں وہی راستے وہی زندگی وہی مرحلے
مگر اپنے اپنے مقام پر کبھی تم نہیں کبھی ہم نہیں

نہ وہ شانِ جبرِ شباب ہے نہ وہ رنگِ قہرِ عتاب ہے
دلِ بے قرار پہ ان دنوں ہے ستم یہی کہ ستم نہیں

نہ فنا مری نہ بقا مری مجھے اے شکیلؔ نہ ڈھونڈیے
میں کسی کا حسنِ خیال ہوں مرا کچھ وجود و عدم نہیں

○

سب طے کر رہے ہیں اور وہ بیچارہ رُک رہا ہے

منزل کو بھی پا کے نہ قدم مطمئن ہوئے
کس درجہ پختگی مرے عزمِ سفر میں ہے

دیرینہ غفلتوں کو ذرا یاد کر کے دیکھ
اک شخص اجنبی سا تری رہ گذر میں ہے

بیٹھا ہوں سر جھکائے ہوئے انکی بزم میں
شاید مری نظر بھی ہجوم نظر میں ہے
دنیا نہ جن کو دیکھ سکی آج تک شکیل
مجھ کو یہ ناز ہے کہ وہ میری نظر میں ہے

○

موسم گل ساتھ لے کر برق دو دام آ ہی گیا
یعنی اب خطرے میں گلشن کا نظام آ ہی گیا
وہ نگاہِ مست اٹھی گردش میں جام آ ہی گیا
یعنی وقتِ امتیازِ خاص و عام آ ہی گیا
پاسباں کرتے رہے سرگوشیاں ہی اور یہیں
ان کی محفل سے بہ عزّ و احترام آ ہی گیا
جانے کن نظروں سے دیکھا آج ساقی نے مجھے
میں تو یہ سمجھا کہ مجھ تک دورِ جام آ ہی گیا
اب اسی کو زندگی کہہ لیجئے یا صبح مرگ
آنکھ کھولی تھی کہ سر پہ وقتِ شام آ ہی گیا

○

زندگی کا درد لے کر انقلاب آیا تو کیا
ایک دوشیزہ پہ غربت میں شباب آیا تو کیا
تشنۂ انوار ہے اب تک عروسِ زندگی

بادلوں کی پالکی میں آفتاب آیا تو کیا

اب تو آنکھوں پر غمِ ہستی کے پردے پڑ گئے
اب کوئی حسنِ مجسّم بے نقاب آیا تو کیا

پھر وہی جہدِ مسلسل پھر وہی فکرِ معاش
منزلِ جاناں سے کوئی کامیاب آیا تو کیا

زندگی کی انجمن میں بے کسی کا رقص ہے
آج اک مطرب کے ہاتھوں میں رباب آیا تو کیا

خود چلے آتے تو شاید بات بن جاتی کوئی
بعد ترکِ عاشقی خط کا جواب آیا تو کیا

مدتوں روٹھے رہے پھر بھی گلے تو مل لئے
ہم کو شرم آئی تو کیا اُن کو حجاب آیا تو کیا

اب غمِ دل خوش نہ ہو کھا کر فریبِ سرخوشی
دو گھڑی کو سطحِ دریا پر حباب آیا تو کیا

مطلعِ ہستی کی تابش کاش ہم بھی دیکھتے
ہم کو جب نیند آ گئی پھر ماہتاب آیا تو کیا

فکرِ مستی ہے تو کوئی ڈھونڈھئے غم کا علاج
خوف غم سے ہاتھ میں جامِ شراب آیا تو کیا

اک تجلّی سے منور کیجیے قصرِ حیات
ہر تجلّی پہ دلِ خانہ خراب آیا تو کیا

بات جب ہے غم کے ماروں کو جلا دے اے شکیلؔ
تو یہ زندہ میتیں مٹی میں داب آیا تو کیا

○

کیا ہوا جو خضر ہم کو راہ دکھلاتے رہے
ہم تو منزل پر بھی آکر ٹھوکریں کھاتے رہے
یوں ترے لطف و کرم کی لذتیں پاتے رہے
تھا یقیں بے گناہی پھر بھی شرماتے رہے
اپنی ہستی خود مٹا دی سب کے کام آتے رہے
بخش کر زلفوں کو نکہت پھول مرجھاتے رہے
عزم محکم کی بدولت دل رہا ثابت قدم
سینکڑوں طوفان اس ساحل سے ٹکراتے رہے
ہائے وہ تیری نوازش اے نگاہِ اولیں
زندگی بھر بے قراری کے مزے آتے رہے
ہر سیاست اوج پا کر نقشِ فانی بن گئی
عشق کی زندہ حقیقت لوگ دہراتے رہے
مطلعِ ہستی ضیا تے امن سے خالی رہا
دوستانے عمر بھر آپس میں ٹکراتے رہے
کر سکے بنیادِ ہستی بھی نہ تعمیرِ حیات
گرمیِ الفاظ سے محفل کو گرماتے رہے
بے طلب کچھ بھی نہ پایا بارگاہِ حسن سے

بھیک قسمت میں لکھی تھی ہاتھ پھیلاتے رہے
زندگی گزاری تھی اپنی دورِ ظلمت میں شکیلؔ
پھر بھی اربابِ نظر کو ہم نظر آتے رہے

○

دلِ غمزدہ کو خوشی کب ملے گی
نہ جانے نئی زندگی کب ملے گی
یہ پژمردہ کلیاں یہ افسردہ غنچے
نہ جانے انہیں تازگی کب ملے گی
مراحم کو کب آئے گا جوشِ غیرت
مظالم کو بے چارگی کب ملے گی
ترانہ بہ لب ہیں ہزاروں کنہیا!
نہ جانے انہیں بانسری کب ملے گی
کب آئے گا لطفِ جنوں قہقہوں میں
تبسم کو دارنگی کب ملے گی!
خموشی کو زورِ بیاں کب ملے گا
تکلم کو سنجیدگی کب ملے گی!
تصور میں کب ہوگی پیدا ندرت
تخیل کو پاکیزگی کب ملے گی
نئے جام و ساغر تو بخشے ہیں تو نے
مگر ساقیا بے خودی کب ملے گی
خودی کو تو دیوانہ پن مل گیا ہے

جنوں کو مگر آگہی کب ملے گی
تشکیل آپ نے دل کی حکایت ہو جسیں
ترنم کو وہ شاعری کب ملے گی

○

مرے پُر مذاق فقرے مرے کام آگئے ہیں
کہ ہنسی ہنسی میں اکثر وہ شکست کھا گئے ہیں

یہ گریز پا توجہ یہ ندامتوں کا عالم
کبھی سامنا ہوا ہے تو نظر بچا گئے ہیں

غم عاشقی کی منزل غم زندگی کی راہیں !!!
وہ وہاں بھی مل گئے تھے وہ یہاں بھی آ گئے ہیں

رہ و رسم عاشقی میں مجھے کب شعور غم تھا
یہ انہیں کی ہے نوازش یہ وہی سکھا گئے ہیں

مرا ہر نشان سجدہ نظر آئے گا وہیں تک
رہ عشق میں جہاں تک ترے نقش پا گئے ہیں

کبھی ڈھونڈھتا ہو دل میں کبھی بزم آپ ہی گل میں
مرے نام کی مسرت وہ کہیں چھپا گئے ہیں

جو نہاں ہیں دل میں نالے وہ تو روک لوں لیں ناصح
مگر اُن کو کیا کروں میں جو زباں پہ آ گئے ہیں

بڑے کارساز نکلے غم عاشقی کے شعلے
جو بچا رہے تھے دامن وہی زد میں آ گئے ہیں

مجھے کردیا ہے جب بھی غمِ زیست نے پریشاں
وہ شفیق مسکرا کر مرا دل بڑھا گئے ہیں

○

غم سے کہاں اے عشق مفر ہے
رات کٹی تو صبح کا ڈر ہے

ترکِ وفا کو مدت گزری !
آج بھی لیکن دل پر اثر ہے

آئینے میں جو دیکھ رہے ہو !
یہ بھی ہمارا حسنِ نظر ہے

غم کو خوشی کی صورت بخشی
اس کا بھی سہرا آپ کے سر ہے

لاکھ ہیں ان کے جلوے جلوے
میری نظر بھی میری نظر ہے

تم ہی سمجھو تم ہو مسیحا !
میں کیا جانوں درد کدھر ہے

آج یہ فیضِ نکتہ شناساں
تنگ ادب کی راہ گزر ہے

پھر بھی شفیق اس دور میں پائیے
صاحبِ فن ہے اہلِ ہنر ہے

○

آج وہ بھی عشق کے مارے نظر آنے لگے
ان کی بھی نیند اُڑ گئی تارے نظر آنے لگے

کس سے جا کر مانگئے دردِ محبت کی دوا
چارہ گر اب خود ہی بیچارے نظر آنے لگے

آئینہ خانے میں اُن کو دل گرفتہ دیکھ کر
محوِ حیرت آئینے سارے نظر آنے لگے!

آنکھ ویراں دل پریشاں زلف برہم لب خموش
یوں تو وہ کچھ اور بھی پیارے نظر آنے لگے

دل میں سوزِ عاشقی انگڑائیاں لینے لگا!
آشیاں کے پاس انگارے نظر آنے لگے

یک بیک ناگفتہ رودادیں حقیقت بن گئیں
دفعتاً نادیدہ نظارے نظر آنے لگے

تم تو دریا ہی کو سمجھے تھے تلاطم آفریں
آج تو ساحل پہ بھی دھارے نظر آنے لگے

ہجر کی راتوں میں جب بڑھنے لگیں بے خوابیاں
ہر طرف یادوں کے گہوارے نظر آنے لگے

دُور تک کیا چل سکو گے راہِ الفت میں شکیلؔ
جب ابھی سے تم تھکے ہارے نظر آنے لگے

اب حسن خود ہیں تیری دہائی !
آئینہ اپنا صورت پرائی

بن ٹھن کے وہ آتے انجمن میں
اللہ جانے اب کس کی آئی

ہم سے تو اچھے نالے ہیں اپنے
ہے اُن کے در تک جن کی رسائی

سنتے ہیں اکثر وہ دل سے گزرے
ہم نے تو کوئی آہٹ نہ پائی

اللہ رے اپنی شرحِ محبت
دُنیا نے سُن لی لب تک نہ آئی

ماتم نہ کیجیے شمعِ سحر کا !
جس نے جلائی اس نے بجھائی

دل میں شکیل اب ترکِ طلب کے
اُن کی نوازش ہے انتہائی

آج پھر گردشِ تقدیر پہ رونا آیا
دل کی بگڑی ہوئی تصویر پہ رونا آیا

عشق کی قید میں اب تک تو امیدوں پہ جیے
مِٹ گئی آس تو زنجیر پہ رونا آیا

کیا حسیں خواب محبت نے دکھایا تھا ہمیں
کھل گئی آنکھ تو تعبیر پہ رونا آیا !

پہلے قاصد کی نظر دیکھ کے دل سہم گیا
پھر تری سُرخیِ تحریر پہ رونا آیا

دل گنوا کر بھی محبت کے مزے مل نہ سکے
اپنی کھوئی ہوئی جاگیر پہ رونا آیا

کتنے مسرور تھے جینے کی دعاؤں پہ شکیلؔ
جب ملے رنج تو تاثیر پہ رونا آیا

○

کیا کیجئے شکوہ دوری کا ملنا بھی غضب ہو جاتا ہے
جب سامنے وہ آجاتے ہیں احساسِ ادب ہو جاتا ہے

دنیا بھی اسی کم ہمت کو دیتی ہے سزائیں جینے کی
دنیا کے ستم سے تنگ آکر جو شکوہ طلب ہو جاتا ہے

اے ترکِ تمنا کے خوگر یہ ربط فسانہ چھیڑ نہ تو
جس لفظ کا کچھ مفہوم نہ ہو وہ حسنِ طلب ہو جاتا ہے

اس گلشنِ ویراں کی ہر شے ہے آج مسرت کی دشمن
جس غنچے کی شامت آتی ہے وہ خندہ بلب ہو جاتا ہے

ہے جو بھی مسرت کا طالب آ جائے وہ غم کی محفل میں!
ملتے ہیں جہاں اربابِ الم اک جشنِ طرب ہو جاتا ہے

بیتابِ نظر کی شوخی نے جلووں کا تکلف چھین لیا
پردے بھی شکیلؔ اٹھ جاتے ہیں دیدار بھی ہو جاتا ہے

○

ضبط کا خوگر ہے دِل اُٹھی توجہ کم سہی
زندگی ہے غم میں لاکھوں ایک یہ بھی غم سہی

غور سے سُن لیں مکین جنت آسودگاں
گر بھی جاتے ہیں مکاں بنیاد مستحکم سہی !

آپ خونِ عشق کا الزام اپنے سر نہ لیں
آپ کا دامن سلامت اپنے قاتل ہی سہی

ہم ہی غافل ہیں ادائے شکر سے اے بے نیاز
تیری رزاقی بقدرِ جرعۂ شبنم سہی

ہم نہیں اے ہم نشیں منت کشِ فصلِ بہار
ہے شگفتِ گل سے مطلب کوئی بھی موسم سہی

جن کو اٹھنا ہے وہ اُٹھ جاتے ہیں چپکے سے شکیلؔ
بعد اُن کے بزم میں گریہ سہی ماتم سہی

○

اس درجہ بدگماں ہیں خلوصِ بشر سے ہم
اپنوں کو دیکھتے ہیں پرائی نظر سے ہم

پہنچے حضورِ دوست بڑے کرّ و فر سے ہم
لوٹے شکست کھا کے خود اپنی نظر سے ہم

وہ بل گئے تو اپنا ہی دہر کا سوا ہمیں
آئینہ آج دیکھ کے نکلے تھے گھر سے ہم

غنچوں سے پیار کر کے یہ عزت ملی ہمیں
چومے قدم بہار نے گذرے جدھر سے ہم

واللہ تجھ سے ترکِ تعلق کے بعد بھی
اکثر گزر گئے ہیں تری رہ گذر سے ہم

اے دل فریبِ جشنِ بہاراں نہ دے ہمیں
واقف ہیں خوش مذاقیِ برق و شرر سے ہم

صدق و صفائے قلب سے محروم ہے حیات
کرتے ہیں بندگی بھی جہنم کے ڈر سے ہم

رہ رہ کے دیکھتے ہیں تمہیں کہ خطا معات
مجبور ہو گئے ہیں مذاقِ نظر سے ہم

اے دوستو! ہمیں بھی امیرِ زماں کہو
خیرات مانگ لائے ہیں اربابِ زر سے ہم

عقبیٰ میں بھی ملے گی یہی زندگی شکیلؔ!
مرکر بھی چھٹ نہ پائیں گے اس دردِ سر سے ہم

○

اے گردشِ تقدیر یہ کیا بوالعجبی
آزاد ہوں اور پاؤں میں زنجیر پڑی ہے

جس دن سے دعا میں نے غمِ عشق کو دی ہے
اس دن سے مجھے میری قضا ڈھونڈ رہی ہے

ہے سب کی نگاہوں میں جدائی کا تصور
میرا تو عقیدہ ہے کہ ہر شخص نے پی ہے

سونے نہ دے ساغرِ مے ادراک سے خالی
کل کیلئے رکھ چھوڑ جو تھوڑی سی بچی ہے!

تنہائی کے لمحات گراں بار میں اکثر
میں نے تجھے بے ساختہ آواز بھی دی ہے

غم خانۂ ہستی میں ہر چیز میسر ہے
لیکن جو کمی ہے تو محبت کی کمی ہے

نعرہ ہے خسّت کا نہیں! اپنا یہ مصرعہ
انسان کے کام آئے جو انسان وہی ہے

○

سخت الجھن میں محبت کی پذیرائی ہے
ان کو ہر گام پہ اندیشۂ رسوائی ہے

ہم بھی دیکھیں گے کہاں تک غم تنہائی ہے
ہم نے بھی ترکِ محبت کی قسم کھائی ہے

آنکھ ویراں رُخ افسردہ پریشاں گیسو
یوں بھی اکثر تری تصویر نظر آئی ہے

جذبۂ عشق کہاں ہستی موہوم کہاں
تیری نظروں کی یہ سب حوصلہ افزائی ہے

میں تو ہوں آج بھی وابستۂ دامانِ خزاں
لوگ کہتے ہیں مرے گھر میں بہار آئی ہے

آپ رسوائی کے ڈر سے نہیں ملتے ہیں تو کیا
لیکن اب مل کے نہ ملنے میں بھی رسوائی ہے

○

نالہ مرا حدودِ اثر تک پہنچ گیا
ان کا بھی ہاتھ ان کے جگر تک پہنچ گیا

جلوے تمام اہلِ بصیرت نے چُن لیے
جو بچ گیا وہ میری نظر تک پہنچ گیا

منزل کا خواب دیکھنے والے تو سو گئے
میں شام سے چلا تو سحر تک پہنچ گیا

ہنستی قضا مری مجھے مایوس دیکھ کر
اچھا ہوا کہ میں ترے در تک پہنچ گیا

انسان کل تو عرش سے اونچا تھا اے شکیلؔ
آج اتنا گھٹ گیا کہ قمر تک پہنچ گیا

○

معلوم ہے دل کی فتنہ گری پھر بھی تو نبھانا پڑتا ہے
اس عشق میں اکثر دشمن کو سینے سے لگانا پڑتا ہے

ہر لحظہ کوئی میرے آگے کرتا ہے خدائی کا دعویٰ
ہر بار کسی کا نقشِ قدم سجدوں سے مٹانا پڑتا ہے

اے ہم نفسو اے ہم سفرو تمکینِ خرد سے کام نہ لو
سنتے ہیں جنوں کی محفل میں دل تھام کے جانا پڑتا ہے

○

تری انجمن میں ظالم عجب اہتمام دیکھا!
کہیں زندگی کی بارش کہیں قتلِ عام دیکھا

مری عرضِ شوق پڑھ لیں یہ کہاں انہیں گوارا
وہیں چاک کر دیا خط جہاں میرا نام دیکھا

بڑی منتوں سے آ کر وہ مجھے منا رہے ہیں
میں بچا رہا ہوں دامن مرا انتقام دیکھا

نہ ہوئی یہ زندگانی کسی دور میں مکمل
یہی ایسی داستاں ہے جسے نا تمام دیکھا

ہیں تسلیٔ روح پرور تری بے خودی کے نغمے
مگر آج تک نہ ہم نے ترے لب پہ جام دیکھا

○

عشق کا کوئی خیر خواہ تو ہے
تو نہیں ہے تری نگاہ تو ہے

عرضِ غم کیوں نہ ان سے کر دیکھوں
اب بھی تھوڑی سی رسم و راہ تو ہے

زندگی ایک سیاہ رات سہی
عاشقی ایک چراغِ راہ تو ہے

روز و شب کی حقیقتیں معلوم
اِک تماشائے مہر و ماہ تو ہے

تابِ جلوہ نہیں مجھے نہ سہی
لیکن اک جراتِ نگاہ تو ہے

مطمئن ہوں ترے تبسّم سے
مرے غم کا کوئی گواہ تو ہے

اور اقبالِ جُرم کیا ہو شکیلؔ
تھرتھراتے لبوں پہ آہ تو ہے

○

جینے والے قضا سے ڈرتے ہیں
زہر پی کے دوا سے ڈرتے ہیں

تجھ کو آواز دیں یہ ناممکن
ہم خود اپنی صدا سے ڈرتے ہیں

زاہدوں کو کسی کا خوف نہیں
صرف کالی گھٹا سے ڈرتے ہیں

آپ جو کچھ کہیں ہمیں منظور
نیک بندے خدا سے ڈرتے ہیں

شعلۂ آشیاں کی فکر نہیں
ہم تو موجِ ہوا سے ڈرتے ہیں

محتسب ہم ہیں تیری خاکِ قدم
بس ترے نقشِ پا سے ڈرتے ہیں

چاہے وہ تم ہو یا نصیب اپنا
ہم ہر اک بے وفا سے ڈرتے ہیں

دشمنوں کے ستم ہمیں منظور
دوستوں کی دغا سے ڈرتے ہیں

غم و ہمت کے باوجود شکیلؔ
عشق کی ابتدا سے ڈرتے ہیں

○

جو ہے رائیگاں تری جستجو یہ مری نظر کی خطا نہیں
میں وہ گردِ راہِ مجاز ہوں جسے خود ہی اپنا پتا نہیں

یہ نہیں کہ بابِ حریم سے جو طلب کیا وہ ملا نہیں
مگر اتنی بات ضرور ہے کہ اثر لغزشِ دعا نہیں

میں قریبِ مرگ سے دور ہوں کہ تیرا ہی تو نور ہوں
مری عمر عمرِ دوام ہے مجھے اعتقادِ فنا نہیں!

قسم ارتکابِ گناہ کی، قسم التفاتِ نگاہ کی!
وہ نہ مرتبہ کوئی پاسکا جو تیری نظر سے گرا نہیں

وہی ایک سجدہ ہے کارگر جو ہو فکر و ہوش سے ماورا
وہ ہزار سجدے فضول ہیں جو رہینِ لغزشِ پا نہیں

میں شکستِ دل کا ہوں ترجماں کہ شکستوں کا ہوں رازداں
مجھے فخر ہے مری شاعری مری زندگی سے جدا نہیں

○

غمِ عاشقی کے نظام اور بھی ہیں
نظر کے سوا برق و دام اور بھی ہیں

جہاں تو بہ تو صبح و شام اور بھی ہیں
محبت میں ایسے مقام اور بھی ہیں

مجھی کو نہ ڈھونڈ انقلابِ زمانہ
طلب گارِ عیشِ دوام اور بھی ہیں

ذرا صبر کر اے حیاتِ دو روزہ
ابھی مجھ کو دنیا میں کام اور بھی ہیں

فریبِ وفا پہ ہی کیا منحصر ہے
مری ذات پہ اتہام اور بھی ہیں

سکوتِ لبِ نامہ بر سے ہے ظاہر
ابھی زیرِ لب کچھ پیام اور بھی ہیں
محبت کا لفظ اُن کے منہ سے نہ نکلا
یقیناً محبت کے نام اور بھی ہیں
شکیلؔ! اپنے دل کی تباہی کا کیا غم
فسانے ابھی ناتمام اور بھی ہیں

○

میرے ہی غم کی ترجماں فطرتِ بے زباں نہ ہو
مجھ کو وہ داستاں سنا جو مری داستاں نہ ہو
عقلِ جنوں نواز سن تجھ پہ اگر گراں نہ ہو!
حسن خود اپنی ذات ہے عشق جو درمیاں نہ ہو
سدِ رہِ نگاہ ہے دور کچھ اک غبار سا
جس کی مجھے تلاش ہے یہ وہی کارواں نہ ہو
قیدِ نظر اٹھا کے دیکھ خود بیں کبھی سما کے دیکھ
دیدہ و دل کی آڑ میں جلوہ بے اماں نہ ہو
میری نظر میں واقعی ہے وہ بلا کا خود غرض
تو جسے غم عطا کرے اور وہ شادماں نہ ہو
شعر و ادب کو آج بھی صنفِ غزل پہ ناز ہے
سعیِ مخالفت شکیلؔ! ڈر ہے کہ رائیگاں نہ ہو

جنوں سے گذرنے کو جی چاہتا ہے
ہنسی ضبط کرنے کو جی چاہتا ہے

وہ ہم خفا ہیں ہم سے خفا ہیں
مگر بات کرنے کو جی چاہتا ہے

ہے مدت سے بے رنگ نقشِ محبت
کوئی رنگ بھرنے کو جی چاہتا ہے

قضا مژدۂ زندگی لے کے آئے
کچھ اس طرح مرنے کو جی چاہتا ہے

نظامِ دو عالم کی ہو خیر یا رب
پھر اک آہ کرنے کو جی چاہتا ہے

گناہ مکرر تسلی! اللہ اللہ!
بگڑ کر سنورنے کو جی چاہتا ہے

دنیا کی روایات سے بیگانہ نہیں ہوں
چھیڑو نہ مجھے میں کوئی دیوانہ نہیں ہوں

اس کثرتِ غم پر بھی مجھے حسرتِ غم ہے
جو بھر کے چھلک جائے وہ پیمانہ نہیں ہوں

میں قائلِ خودداریٔ الفت سہی لیکن
آدابِ محبت سے تو بیگانہ نہیں ہوں

کانٹوں سے گذر جاتا ہوں دامن کو بچا کر
پھولوں کی سیاست سے میں بیگانہ نہیں ہوں

لذت کشِ نظارہ شکیلؔ اپنی نظر ہے
محرومِ جمالِ رخِ جانانہ نہیں ہوں

جلوۂ معتبر کو کیا کہیے
دل نہیں دل نظر کو کیا کہیے

جو گذرتے ہیں آہ تیرے بغیر
ایسے شام و سحر کو کیا کہیے

عشق نے پا لیا خود اپنا مقام
ان کی پہلی نظر کو کیا کہیے

دور رہ کر بھی پاس ہے کوئی
اہتمامِ نظر کو کیا کہیے

تھا مقدر میں گھٹ کے مر جانا
غفلتِ چارہ گر کو کیا کہیے

مجھ سے غافل بھی میری جانب بھی
احتیاطِ نظر کو کیا کہیے

(۵)

ہر مسرت سے گریزاں نظر آتا ہے مجھے
دل حریفِ غمِ جاناں نظر آتا ہے مجھے

تو محبت کا نگہباں نظر آتا ہے مجھے
یا کوئی خواب پریشاں نظر آتا ہے مجھے

جب سے چھایا ہے تری یاد کا عالم دل پہ
ہر نفس شعلہ بداماں نظر آتا ہے مجھے

کچھ مجھی تک نہیں محدود مرا ذوقِ جنوں
پھول بھی چاک گریباں نظر آتا ہے مجھے

اپنی جاتی ہوئی دنیا کی قسم اے غمِ ہجر
تو بھی اک رات کا مہماں نظر آتا ہے مجھے

منکرِ ذات تری بحث مسلم، لیکن
یوں وہ کچھ اور نمایاں نظر آتا ہے مجھے

اک واعظ ہی تھا منجملۂ اربابِ خلوص
[illegible] کا انسان نظر آتا ہے مجھے

○

حسن پابندِ رہ و رسمِ وفا کیوں نہ رہا
ہائے پہلا سا محبت میں مزا کیوں نہ رہا

اکثر آتا ہے غمِ عشق میں وہ بھی عالم
سوچتا ہوں تری نظروں سے جدا کیوں نہ رہا

بے خودی دائرۂ ہوش میں آ ہی جاتی
اور دو چار گھڑی پردہ اٹھا کیوں نہ رہا

تیری افسردہ نگاہی سے یہ شکوہ ہے کریں
راز بن کر ترے سینہ میں چھپا کیوں نہ رہا

محسن کے حسنِ ندامت کی قسم کیا کہئے
دل کو اب حوصلۂ ترکِ وفا کیوں نہ رہا

دیں صدائیں درِ انساں ہی پہ انساں نے تنکیل
ہائے دنیا میں غریبوں کا خدا کیوں نہ رہا

○

یہ کیا طلسمِ غمکدۂ کائنات ہے
یا وصفِ مہر و ماہ نہ دن ہے نہ رات ہے
دل بے نیازِ آرزوئے التفات ہے۔

شاید اسی کا نام سکونِ حیات ہے

آزاد لاکھ اسیرِ غمِ عشق ہو کو کیا

یہ قید کم نہیں کہ بقیدِ حیات ہے

اپنا ہی عکس دیکھتا رہتا ہوں چار سو

عالم تمام آئینۂ حُسنِ ذات ہے

انسان ہزار منزلِ رفعت پہ ہو تشکیل

ایسے میں خود کو بھول نہ جائے تو بات ہے

○

اندازِ مداوائے جنوں کام نہ آیا ! !

کوشش تو بہت کی مگر آرام نہ آیا

جب تک وہ تجلی رہی آغوش نظر میں

بھولے سے بھی ذکرِ سحر و شام نہ آیا

یوں کم نہ ہوئی رونقِ ہنگامۂ محفل

محفل میں کوئی واقفِ انجام نہ آیا

صد حیف کہ یہ باد ہوئے ہم تری خاطر

صد شکر کہ تجھ پر کوئی الزام نہ آیا

اعجازِ مسیحا پہ تشکیل آپ ہیں نازاں

اعجازِ مسیحا بھی اگر کام نہ آیا

○

بن جاتے ہے قہر عشرتِ پیہم کبھی کبھی
دل کو سکوں نہ دے سے جو ترا غم کبھی کبھی

لمحاتِ یادِ دوست کو صرفِ دُعا نہ کر
آتے ہیں زندگی میں یہ عالم کبھی کبھی

زاہد کی مے کشی پہ تعجب نہ کیجئے!
لاتی ہے رنگ فطرتِ آدم کبھی کبھی

مرکز سے ہو گئے دور بہ ایں اختصارِ عمر
روتی ہے اپنے حال پہ شبنم کبھی کبھی

کیف و نشاطِ درد کا عالم نہ پوچھیے
ہنس کر گزاری ہے شبِ غم کبھی کبھی

ان کی خوشی کو اپنی خوشی جان کر شکیلؔ
سر کر لیا ہے معرکۂ غم کبھی کبھی

○

اب تو ہر عنوانِ عیش و غم سے جی گھبرا گیا
زیست کے افسانۂ مبہم سے جی گھبرا گیا

سوزِ عشق و گریۂ پیہم سے جی گھبرا گیا
ارتباطِ شعلہ و شبنم سے جی گھبرا گیا

کوئی دیکھے تو ذرا یہ طرزِ تنظیمِ حیات !
پھر وہی عالم کہ جس عالم سے جی گھبرا گیا

اب تجھی پر منحصر ہے فیصلہ برقِ جمال
چشم و دل کی چشمک باہم سے جی گھبرا گیا

سعیٔ تکمیلِ محبت تو بجا ہے اے شکیلؔ
اور اگر ناکامیٔ پیہم سے جی گھبرا گیا

○

حشر تک ہنگامہ گرمیٔ ہستی ہے شکیلؔ
سلسلہ ختم نہ ہوگا ترے افسانے کا

○

آنکھ ان کو دیکھتی ہے نظارہ کئے بغیر
پردے میں چھپ گئے ہیں وہ پردہ کئے بغیر
ہر چند کہ دردِ عشق کا درماں نہیں مگر
بنتی نہیں ہے فکرِ مداوا کئے بغیر

زاہد سے پوچھئے غمِ دنیا کی عظمتیں
عقبیٰ نہ مل سکی غمِ دنیا کئے بغیر
ہم کو بھی دیکھنا ہے کہ یہ منکرینِ عشق
کب تک رہیں گے تیری تمنا کئے بغیر
شعر و ادب کی راہ میں ہوں گامزن شکیلؔ
اپنے مخالفین کو پیدا کئے بغیر

○

باقی رہا تھا زندہ دلوں میں بس اک شکیلؔ
وہ بھی غمِ فراق کا مارا ہے آج کل

○

دید کے حوصلے ہیں گم جلوۂ حسنِ ذات میں
دخلِ نگاہ کچھ نہیں دل کے معاملات میں
دل سے تو قطع راہ کر دل کی طرف نگاہ کر
دیکھ یہ وسعتیں کہاں دامنِ کائنات میں
جرأتِ شکوہ بھی نہیں جن کے حضور بار یاب
ہیں وہ ستم چھپائے ہوئے پردۂ التفات میں
فیضِ جنوں سے ہٹ گیا خلوت و انجمن کا فرق

حشر بپا ہے آجکل بزمِ تصورات میں
حُسن و نظر کی کشمکش ختم ہوئی نہ تھی ہنوز
دل بھی اُلجھ کے رہ گیا دامِ تجلیات میں
شکوۂ غم نہ کر شکیلؔ! حُسن مآل کو بھی دیکھ ! !!
ہے کوئی مصلحت ضرور ان کی ہر ایک بات میں

○

عقل نے سرابائی شرحِ رنگ و بو کر کے
یعنی خود کو کھو بیٹھے ان کی جستجو کر کے
وہ بھی دل گرفتہ ہیں اپنی کیا کہوں ناصح
مجھ سے گفتگو کرنا اُن سے گفتگو کر کے
اک جنونِ بے معنی، اک یقینِ لاحاصل
اور کیا ملا ظالم! تیری آرزو کر کے
آرزو دلرزتی تھی جن کا نام بھی سن کر
اُن کو پا لیا ہم نے ترک آرزو کر کے

○

پھر تلاطم میں لے گئیں موجیں
مجھ کو صورت دکھا کے ساحل کی

○

صبح کا افسانہ کہہ کر شام سے
کھیلتا ہوں گردشِ ایّام سے

اُن کی یاد ان کی تمنّا اُن کا غم
کٹ رہی ہے زندگی آرام سے

عشق میں آ ہی گئی وہ بھی ساعتیں
کام نکلے گا دِلِ ناکام سے

لاکھ میں دیوانہ و رسوا سہی!
پھر بھی اک نسبت ہے تیرے نام سے

صبحِ گلشن دیکھیئے کیا گل کھلائے
کچھ ہوا بدلی ہوئی ہے شام سے

ہائے میرا عالمِ تشنہ لبی!!
شیشہ مل کر رو رہا ہے جام سے

بے خودی پہ شاید ان کا بس نہیں
ہوش آجاتا ہے اُن کے نام سے

ہر نفس محسوس ہوتا ہے شکیلؔ
آرہے ہیں نامہ و پیغام سے

○

شعلہ بکف ہے زندگی، امن و امان کی خیر ہو
مل کر دعائیں مانگئے سارے جہاں کی خیر ہو

رہ نہ سکیں گے اب نہاں رازِ درونِ میکدہ !
رندوں کو ہوش آ گیا پیرِ مغاں کی خیر ہو

زہرِ حیات پی کے ہم کھیل رہے تھے موت سے
عشق نے پھر جلا دیا عمرِ رواں کی خیر ہو

ہیں میرے دل سے بے خبر بھی بہ زعمِ یک نظر
آئے ہیں بن کے چارہ گر دردِ نہاں کی خیر ہو

مصلحتوں نے ولولے چھین لئے اب شکیلؔ !
اہلِ زباں ہیں گم سخن زورِ بیاں کی خیر ہو

○

نقش فطرت نے جو ابھارے ہیں
کچھ کنائے ہیں کچھ اشارے ہیں

ہم سے پوچھو بہارِ جلوۂ دوست
ہم نے فرقت کے دن گذارے ہیں

رونقِ چرخ دیکھنے والو !
کچھ زمیں پر بھی چاند تارے ہیں

تم زمانے کے ہو ہمارے سوا
ہم کسی کے نہیں تمہارے ہیں

ہم سے زندہ تھی زندگی کل تک
آج ہم زندگی کے مارے ہیں

جب نظارے نہ تھے نگاہیں تھیں
اب نگاہیں نہیں نظارے ہیں

دیکھ کر ہاتھ ڈالنا گلچیں
اب یہ غنچے نہیں شرارے ہیں

جن کو آنسو سمجھ رہے ہو شکیلؔ
دل کے ٹوٹے ہوئے ستارے ہیں

○

میری دیوانگی نہیں جاتی
رو رہا ہوں ہنسی نہیں جاتی

ترکِ مے اسے سمجھ ناصح
اتنی پی ہے کہ پی نہیں جاتی

جب سے دیکھا ہے انکو بے پردہ
نخوتِ آگہی نہیں جاتی

شوخیِ عشقِ بے اماں کی قسم
حسن کی سادگی نہیں جاتی

اُن کی دریا دِلی کو کیا کہیے
میری تشنہ لبی نہیں جاتی

ملے گھر میں آب و دانہ تو یہ دام تک نہ پہنچے

تری صبح پر نظر ہے مگر آہ! یہ بھی ڈر ہے
یہ سحر بھی رفتہ رفتہ کہیں شام تک نہ پہنچے

یہ ادائے بے نیازی تجھے بے وفا مبارک
مگر ایسی بے رُخی کیا کہ سلام تک نہ پہنچے

جو نقابِ رُخ اٹھا دی تو یہ قید بھی لگا دی
اٹھے ہر نگاہ لیکن کوئی بام تک نہ پہنچے!

انہیں اپنے دل کی خبریں مرے دل سے مل رہی ہیں
میں جو اُن سے رُوٹھ جاؤں تو پیام تک نہ پہنچے

وہی ایک خموش نغمہ ہے شکیلؔ! جانِ ہستی
جو زباں پر نہ آئے جو کلام تک نہ پہنچے

○

وہ گرمیِ بزمِ عشق گئی وہ مہر و وفا کے گیت گئے
جب حوصلۂ دل پست نہ تھا ہاں ہاں وہ زمانے بیت گئے

ہم شانِ تحمل پر نازاں وہ جورِ مسلسل پہ قائم
للہ یہ بازی رہنے دو ہم ہار گئے تم جیت گئے

○

○

چھُپ کر نگاہِ شوق سے دل میں پناہ لی!
دِل میں نہ چھپ سکے تو رگِ جاں میں آگئے

تھے منتشر ازل میں جو ذرات کوئے دوست
انسان بن کے عالمِ امکاں میں آ گئے!

جن کی ادا ادا میں رعنائیاں تشکیلؔ!
اشعار بن کے وہ مرے دیواں میں آگئے

○

جو ایک نظر کی جنبش سے سب دل کی بستی لوٹ گیا
وہ جس سے آنکھیں چار ہوئیں اور ہاتھ سے ساغر چھوٹ گئے

دل اُس کا بھی ہے میرا بھی ہے فرق تشکیلؔ اتنا لیکن
وہ پتھر ہے جو ثابت ہے یہ شیشہ تھا جو ٹوٹ گیا

○

ان کے بغیر ہم جو گلستاں میں آ گئے
محسوس یہ ہوا کہ بیاباں میں آ گئے

تشہیرِ دل گرفتگیِ حسن ہو گئی
آنسو چھلک کے چشمِ پشیماں میں آ گئے

ہم ترکِ ربط و ضبطِ محبت کے باوجود
سو بار کھینچ کے کوچۂ جاناں میں آ گئے

پھولوں کو راس آیا نہ جب عرصۂ بہار
گلشن سے ہٹ کے گوشۂ داماں میں آ گئے

ہر چند اہلِ ہوش تھے اربابِ زندگی
لیکن فریبِ گردشِ دوراں میں آ گئے

آیا مری زباں پہ یکایک جو انکا نام
کس کس کے ہاتھ میرے گریباں میں آ گئے

بیت گیا ہنگامِ قیامت روزِ قیامت آج بھی ہے
ترکِ تعلق کام نہ آیا ان سے محبت آج بھی ہے

سخت سہی ہستی کے مراحل عشق میں راحت آج بھی ہے
اے غمِ جاناں ہو نہ گریزاں تیری ضرورت آج بھی ہے

گلشنِ حسنِ یار میں چلئے ہے جو تلاشِ کیف و سکوں!!
لاکھ ہے برہم نظمِ دو عالم زلف میں نکہت آج بھی ہے

نورِ سحر ہے جانِ تصور ظلمتِ شب سے کون ڈرے
لاکھ بنی ہے زیست جہنم سامنے جنت آج بھی ہے

صبح بہار آئی تھی لیکن رت بھی نئی راتیں بھی نئی
غنچہ و گلفام کے رخ پر لیکن رنگِ ندامت آج بھی ہے

پھر لئے دامن پھر بھی نہ بدلی ہائے روش گلچینوں کی
غنچہ و گل سے پیار ہے لیکن شاخ سے نفرت آج بھی ہے

وقت برا آتا ہے تو سب اللہ کو سجدے کرتے ہیں!
سچ ہے اگر یہ بات تو شاید لطفِ عبادت آج بھی ہے

عرضِ تمنا کر کے گنوایا ہم نے بھرم خودداری کا
ہو گئی گو تکمیلِ تمنا دل کو ندامت آج بھی ہے

کر کے ستم کی پردہ پوشی ہم نے انہیں بے عیب کیا
ورنہ تشکیل اپنے ہونٹوں پر حرفِ شکایت آج بھی ہے

کلامِ تازہ

○

کیا کشش حُسنِ روزگار میں ہے!!

غم بھی ڈوبا ہُوا بہار میں ہے

جب سے کھاتے ہیں اُس نظر کے فریب

میرا دِل میرے اختیار میں ہے

دل کی دھڑکن پہ دے رہی ہے صدا

جا کوئی تیرے انتظار میں ہے

ہو پریشاں حجابِ غم سے نہ دل

کارواں پردہ غبار میں ہے

نالۂ نیم شب کو غور سے سن

ایک نغمہ بھی اس پکار میں ہے

کھول دے بابِ مے کدہ ساقی

اک فرشتہ بھی انتظار میں ہے

محوِ گردش ہے کائنات تشکیلؔ

میری تقدیر کس شمار میں ہے

○

پنہا دلِ بے تاب میں ارمان بہت ہیں
گھر اپنا سلامت رہے مہمان بہت ہیں
بتخانے میں گو کفر کے سامان بہت ہیں
کعبے میں بھی غارت گرِ ایمان بہت ہیں

تو خود کو فرشتہ نہ سمجھ واعظِ ناداں
دنیا میں ترے رنگ کے انسان بہت ہیں
ترغیبِ سفر ہم کو نہ دے اے غمِ دوراں
ہستی پہ غمِ عشق کے ساماں بہت ہیں

ہنستا ہوا کہسارِ حوادث سے گزر جا!
پھر دیکھ کہ تیرے لئے میدان بہت ہیں
تنظیمِ جہاں چاہے نئی ہو کہ پرانی
میرے لئے یارب ترے فرمان بہت ہیں

ذکرِ لبِ ساحل سے ابھی کچھ نہیں حاصل
کشتی کی خبر لیجیے طوفان بہت ہیں!
ہوگا نہ شکیلؔ! آپ سے اظہارِ تمنّا
مشکل میں بہت کام جو آسان بہت ہیں

○

کوششِ ترکِ محبت رائیگاں ہونے لگی
میری غیرت اُنکے چہرے سے عیاں ہونے لگی
کیوں نہ ہم سمجھیں بھلا اس مہربانی کو ستم

تم ہوئے اپنے تو دنیا مہرباں ہونے لگی

عظمتِ غم کا تقاضہ ہے کہ غم ظاہر نہ ہو
روک لے آنسو کہ توہینِ فغاں ہونے لگی

ہو سکا اُن سے بچھڑ کر بھی نہ پیوندِ زمیں
وقت جب بگڑا تو مٹی بھی گراں ہونے لگی

رات بھر بیدار رکھا مجھ کو شورِ چنگ نے
نیند جب آئی تو مسجد میں اذاں ہونے لگی

خانہ ویرانوں کا دن تو کٹ گیا پرواز میں
شام ہوتے ہی تلاشِ آشیاں ہونے لگی

لگ گئیں پابندیاں باہر نکلنے پر شکیلؔ
دُخترِ رز جب شبستاں محلوں میں جواں ہونے لگی

○

تصاویر کہیں اب کون دیکھے دل کے پردے ہیں
نئے چہرے نظر آتے ہیں مستقبل کے پردے ہیں

نہیں ہے گوش پر آوازِ صدرِ انجمن اب تک
ہزاروں نغمے رقصاں ہیں شکستِ دل کے پردے ہیں

کہاں دیوانہ لاغر کہاں ذوقِ جنوں پرور
کوئی لیلےٰ نظر آتی ہے اس محمل کے پردے ہیں

جنونِ عشق کی حالت ہے ہر انسان کی ہستی

شرار سے بھی ہیں اس تصویرِ آب و گل کے پردے میں
جہانِ رنگ و بو میں کیوں تلاشِ حسن ہو مجھ کو
ہزاروں جلوے رخشندہ ہیں میرے دل کے پردے میں

میں زندہ ہوں مجھے اے ناخدا! طوفاں میں لے چل
مرے ذوقِ عمل کی موت ہے ساحل کے پردے میں

شکیل! انساں کو اک عزمِ محکم کی ضرورت ہے
چھپی ہے کامرانی بھی لاحاصل کے پردے میں

نہ پیمانے کھنکتے ہیں، نہ دورِ جام چلتا ہے
نئی دنیا کے رندوں میں خدا کا نام چلتا ہے

غمِ عشق و غمِ ہستی کے ہنگامے جدا لیکن
وہاں بھی دن گزرتے ہیں یہاں بھی کام چلتا ہے

چھپے ہیں لاکھ حق کے مرحلے گمنام ہونٹوں پر
اسی کی بات چل جاتی ہے جس کا نام چلتا ہے

جنونِ رہروی وقت کی رفتار سے پوچھو
کوئی منزل نہیں لیکن یہ صبح و شام چلتا ہے

شکیل مست کو مستی میں جو کہنا ہے کہنے دو!
یہ میخانہ ہے اے واعظ! یہاں سب کام چلتا ہے

رہِ وفا میں کوئی صاحبِ جنوں نہ ملا
دلوں میں عزم تو پائے رگوں میں خوں نہ ملا

ہزار ہم سے مقدر نے کی وفا، لیکن
ہمیں مطابقِ مقدر کبھی سکوں نہ ملا

گلوں کے رخ پہ وہی تازگی کا عالم ہے
نہ جانے انکو غمِ روزگار کیوں نہ ملا

کہاں سے لائے وہ اک لیلی الہوس مذاقِ کلیم
جسے نظر تو ملی جذبۂ دروں نہ ملا

ملی ہیں ترکِ محبت کے بعد بھی آنکھیں
مگر وہ کیف وہ اعجاز، وہ فسوں نہ ملا!

تضادِ طبع کا ہے بس یہی سبب ناصح
مجھے خرد نہ ملی آپ کو جنوں نہ ملا

فلک شگافت تھا اس درجہ اضطرابِ عمل
کہ بندگی میں فرشتوں کو بھی سکوں نہ ملا

لیے تو جاتا ہے دل انکی انجمن میں شکیلؔ
میں کیا کروں گا وہاں بھی اگر سکوں نہ ملا

اسرارِ شگفتہ گل کیا، اس کی نظر سمجھے
جو اپنے نشیمن کو صیاد کا گھر سمجھے!

وحشت کے تقاضوں نے روکا نہ قدم انکا
منزل کو بھی دیوانے اک راہ گزر سمجھے

سورج پہ جب اک بدلی چھائی تو دھندلکا تھا
کچھ لوگ دھندلکے کو آغازِ سحر سمجھے

صد چاک کیا ہم نے خود پیراہن ہستی!
اس پر یہ قیامت کہ عیبوں کو ہنر سمجھے

یہ کون سی جدت ہے یہ کیسی ترقی ہے!
انسان ہی انسان کو مخلوقِ دِگر سمجھے

پندارِ سیاست میں کھوئے ہوئے سودائی
تبلیغِ محبت کو توہینِ بشر سمجھے

آئینہ میں جب دیکھی صورت تو ہوئے برہم
وہ اپنی نظر کو بھی دشمن کی نظر سمجھے

بے فیضِ جنوں دنیا اور اک بھی کھو بیٹھی
قدرت کو خرد والے اک شعبدہ گر سمجھے

کھل جائیں تشکیلؔ! اس پہ اسرارِ خداوندی
اقبالؔ کے شعروں کو انسان اگر سمجھے

میری بربادی کو چشمِ معتبر سے دیکھئے
میرؔ کا دیوان غالبؔ کی نظر سے دیکھئے

مسکرا کر یوں نہ اپنی رہ گذر سے دیکھئے
جس طرف میں ہوں مری منزل ادھر سے دیکھئے

ہے دلیلِ کم نگاہی اختلافاتِ نظر
زندگی کا ایک ہی رُخ ہے جدھر سے دیکھئے

بھرتے رہتے ہیں جہنم زندگی کے چارہ ساز
دُشمنِ جاں ہیں اگر گہری نظر سے دیکھئے

میرے غم خانے کے چاروں سمت میں دو لنگر ہے
زندگی کی بھیک ملتی ہے کدھر سے دیکھئے

فطرتاً ہر آدمی ہے طالبِ امن و اماں!
دشمنوں کو بھی محبت کی نظر سے دیکھئے

بھیج دی تصویر اپنی ان کو یہ لکھ کر شکیلؔ
آپ کی مرضی ہے چاہے جس نظر سے دیکھئے

○

روشنی سایۂ ظلمات سے آگے نہ بڑھی
زندگی شمع کی اک رات سے آگے نہ بڑھی

اپنی ہستی کا بھی انسان کو عرفاں نہ ہوا
خاک پھر خاک تھی اوقات سے آگے نہ بڑھی

حلقۂ زہد سے پیچھے نہ ہٹا پائے جمود
بندگی حمد و مناجات سے آگے نہ بڑھی

نام بدنام ہوا صنفِ غزل کا لیکن
شاعری رسم روایات سے آگے نہ بڑھی

بے تکلف ہوئی تجدیدِ ملاقات مگر
وہ بھی اک تشنہ ملاقات سے آگے نہ بڑھی

عقل نے جب بھی جنوں کو نظر انداز کیا
چند فرسودہ خیالات سے آگے نہ بڑھی

دل تو آمادۂ فریاد رہا اُن کے حضور!
آرزو شدتِ جذبات سے آگے نہ بڑھی

زلف بردوش وہ اِک بار تو آئے تھے شکیلؔ!
پھر کوئی رات بھی اس رات سے آگے نہ بڑھی

○

غمِ عاشقی سے کہہ دو رہ عام تک نہ پہنچے
مجھے خوف ہے یہ تہمت مرے نام تک نہ پہنچے

میں نظر سے پی رہا تھا تو یہ دل نے بددعا دی
ترا ہاتھ زندگی بھر کبھی جام تک نہ پہنچے

وہ نوائے مضمحل کیا، نہ ہو جس میں دل کی دھڑکن
وہ صدائے اہلِ دل کیا جو عوام تک نہ پہنچے

مرے طائرِ نفس کو نہیں باغباں سے رنجش

حلقۂ زلف سے پیچھے نہ ہٹا پائے جمود
بندگی حمد و مناجات سے آگے نہ بڑھی
نام بدنام ہوا صنفِ غزل کا لیکن
شاعری رسم روایات سے آگے نہ بڑھی
بے تکلف ہوئی تجدیدِ ملاقات مگر
وہ بھی اک تشنہ ملاقات سے آگے نہ بڑھی
عقل نے جب بھی جنوں کو نظر انداز کیا
چند فرسودہ خیالات سے آگے نہ بڑھی
دل تو آمادۂ فریاد رہا اُن کے حضور!
آرزو شدتِ جذبات سے آگے نہ بڑھی
زلف بردوش وہ اِک بار تو آئے تھے شکیلؔ!
پھر کوئی رات بھی اس رات سے آگے نہ بڑھی

○

غمِ عاشقی سے کہہ دو رہِ عام تک نہ پہنچے
مجھے خوف ہے یہ تہمت مرے نام تک نہ پہنچے
میں نظر سے پی رہا تھا تو یہ دل نے بد دُعا دی
ترا ہاتھ زندگی بھر کبھی جام تک نہ پہنچے
وہ نوائے مضمحل کیا، نہ ہو جس میں دل کی دھڑکن
وہ صدائے اہلِ دل کیا جو عوام تک نہ پہنچے
مرے طائرِ نفس کو نہیں باغباں سے رنجش

کرتے دعا گر قاتلِ جہاں تلوار کی باتیں کرتے ہیں
ارزاں نہیں ہوتا انکا لہو جو پیار کی باتیں کرتے ہیں

یہ عیش و طرب کے متوالے بیکار کی باتیں کرتے ہیں
پائل کے غموں کا علم نہیں جھنکار کی باتیں کرتے ہیں

ناحق ہے ہوس کے بندوں کو نظارۂ فطرت کا دعویٰ
آنکھوں میں نہیں ہے بینائی دیدار کی باتیں کرتے ہیں

غم میں بھی رہا احساسِ طرب دیکھو تو ہماری نادانی
ویرانے میں ساری عمر کٹی گلزار کی باتیں کرتے ہیں

بے نقدِ عمل جنت کی طلب کیا شے ہیں جنابِ شیخ بھی !!
مٹھی میں نہیں ہیں دام و درم بازار کی باتیں کرتے ہیں

کہتے ہیں انہیں کو دشمنِ دل ہے نام انہیں کا ناصح بھی
وہ لوگ جو رہ کر ساحل پر منجدھار کی باتیں کرتے ہیں

پہنچے ہیں جو اپنی منزل پر اُن کو تو نہیں کچھ نازِ سفر
چلنے کا جنہیں مقدور نہیں رفتار کی باتیں کرتے ہیں

یہ اہلِ قلم یہ اہلِ ہنر دیکھو تو تشکیل ان سب کی جگہ
فاقوں سے ہیں دل مرجھائے ہوئے دلدار کی باتیں کرتے ہیں

ہنگامۂ غم سے تنگ آ کر اظہارِ مسرت کر بیٹھے
مشہور تھی اپنی زندہ دلی دانستہ شرارت کر بیٹھے

کوشش تو بہت کی ہم نے مگر پایا نہ غمِ ہستی سے مفر
ویرانیِ دل جب حد سے بڑھی گھبرا کے محبت کر بیٹھے

ہستی کے تلاطم میں پنہاں تھے عیش و طرب کے دھارے بھی
افسوس ہمیں سے چوک ہوئی اشکوں پہ قناعت کر بیٹھے

رندانِ جہاں سے یہ نفرت اے حضرتِ واعظ کیا کہنا
اللہ کے آگے بس نہ چلا بندوں سے بغاوت کر بیٹھے

ہر چیز نہیں اک مرکز پر اک ذرہ اِدھر ایک ذرہ اُدھر
نفرت سے نہ دیکھو دشمن کو شاید یہ محبت کر بیٹھے

نظروں سے نہ کرتے پرسشِ غم خاموش ہی رہنا بہتر تھا
دیوانہ کو تم نے چھیڑ دیا واللہ قیامت کر بیٹھے

گلچیں نے تو کوشش کر ڈالی سونی ہو چمن کی ہر ڈالی
کانٹوں نے مبارک کام کیا پھولوں کی حفاظت کر بیٹھے

اللہ تو سب کی سنتا ہے جرأت ہے شکیل اپنی اپنی
حالی نے زباں سے اُف بھی نہ کی اقبال شکایت کر بیٹھے

تری بندگی کے ٹھکانے بہت ہیں
کہاں سر جھکے آستانے بہت ہیں
خزاں میں بہاروں کے چرچے کئے جا
جنوں کو یہی تازیانے بہت ہیں

میں اس دور کی ترجمانی کروں گا
مگر میرے آگے زمانے بہت ہیں
یہ دنیا حقیقت کی قائل نہیں ہے
فسانے سناؤ افسانے بہت ہیں
چمن پر سدا گرتی رہتی ہے بجلی
شکیلؔ! آج بھی آشیانے بہت ہیں

اشکِ غم ظاہر بھی ہو کر رازداروں میں رہا
میری آنکھوں سے جدا ہو کر ستاروں میں رہا
انبساطِ عاشقی میرے مقدر میں کہاں
زندگی بھر زندگی کے سوگواروں میں رہا
دل وہ زاہد ہے جو ان مخمور نظروں کے طفیل
بن گیا ہے خوار پھر بھی دین داروں میں رہا
ایک تم جو وعدہ لطف و کرم کرتے رہے
ایک میں جو عمر بھر امیدواروں میں رہا
یوں تو ہیں مشہور دونوں فرق یہ ہے محتسب
میں دلوں پر نقش ہوں تو اشتہاروں میں رہا
ہر تبسم پر تڑپ سے بڑھتی گئی دل کی خلش
فصلِ گل بھی آئی لیکن پھول خاروں میں رہا

ایک مشتِ خاک ہوں لیکن مرے درِ پیشکل
آسماں بھی عمر بھر سجدہ گذاروں میں رہا

○

حجابوں سے باہر وہ کم دیکھتے ہیں
مگر ان سے کہدو کہ ہم دیکھتے ہیں
نہیں کہکشاں یہ جو ہم دیکھتے ہیں
خود اپنا ہی نقشِ قدم دیکھتے ہیں
اثر کر چلی ہیں ہماری دعائیں
وہ مشکوک نظروں سے کم دیکھتے ہیں
گرا اُن کے ہاتھوں سے آئینہ چھٹ کر
پلٹ کر جو دیکھا کہ ہم دیکھتے ہیں
تشکیل اپنی ہستی سے ہے رنگِ محفل
زمانہ ہمیں اُن کو ہم دیکھتے ہیں

○

بے جھجک آ گئے بے خطر آ گئے
آج رندوں میں واعظ کدھر آ گئے
گفتگو اُن سے یہ قسمت کہاں
یہ بھی اُن کا کرم ہے نظر آ گئے
آنا جانا بھی یہ خواب ہے آپ کا
بے کہے چل دیئے بے خبر آ گئے

ہم تو روتے ہی تھے عشق میں رات دن
تم بھی آخر اسی راہ پہ آ گئے
عشق کو جان دینے کی تھی آرزو !
کام زنداں کے دیوار و در آ گئے
ہم نے عزم سفر کر لیا اے شکیلؔ
قافلے جب سرِ رہ گذر آ گئے !

○

شعر و شراب و نغمہ کے حقدار بن گئے
بندے خدا کو بھول کے فن کار بن گئے
سوتے تو عیش و رنگ نے دیں آ کے تھپکیاں
جاگے تو کائنات کے غم خوار بن گئے
بس ہو سکا نہ جب غمِ ہستی کا مسئلہ
کچھ سوچ کر حریفِ غمِ یار بن گئے !
بیٹھے ہی تھے عقل بڑھنے لگا زعمِ آگہی !
بیہوشیوں کے سائے میں ہوشیار بن گئے
ایماں کو کفر، کفر کو ایماں سمجھ لیا
دو گھونٹ پی کے اور سیہ کار بن گئے

○

زندگانی خود حریفِ زندگانی ہو گئی !
میں نے جب رکھا قدم دنیا پرانی ہو گئی !